اقصیٰ کے آنسو

فلسطین کا ایک عاشق

الاقصیٰ پبلشر

اقصیٰ کے آنسو

فلسطین کا ایک عاشق

الاقصیٰ پبلشر

نام کتاب ..... اقصیٰ کے آنسو
مصنف ..... فلسطین کا ایک عاشق
طبع اول ۱۴۲۷ھ 2006ء
طبع دوم ۱۴۲۸ھ 2007ء
طبع سوم ۱۴۲۹ھ 2008ء
ناشر ..... الاقصیٰ پبلشر
تعداد ..... [redacted] روپے

ملنے کے پتے

ملک بھر کے تمام بڑے کتب خانوں سے دستیاب ہے۔

الاقصیٰ پبلشر

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
01	فہرست	۳
02	لعل زرّیں کے نام	۶
03	مسجد اقصیٰ کے نام	۸
04	مقدس! تم کہاں ہو؟	۱۶
05	القدس تاریخ کے تناظر میں	۱۹
06	القدس کے نام (۱)	۲۱
07	القدس کے نام (۲)	۲۸
08	القدس کے نام (۳)	۳۵
09	یہ چٹان مقدس کیوں ہے؟	۴۳
10	صحیفہ داؤدی کی واپسی	۵۲
11	دجلہ سے نیل تک	۵۸
12	خلیج سویز کے کنارے	۶۳
13	فلسطین کا قضیہ	۶۸
14	القدس سے بابل تک	۸۲
15	اسرائیل کا مطلب کیا؟	۸۵
16	بابل سے یروشلم تک	۹۳
17	دو ڈاکٹروں کی کہانی	۹۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
18	اگلے سال یروشلم میں ...!	۱۰۶
19	روزہ داں مثالیں	۱۱۴
20	پُراسرار حروف کیا کہتے ہیں؟	۱۲۲
21	داستان ملت فروشوں کی	۱۲۸
22	داستان فلسطین فروشوں کی	۱۳۴
23	کہلا کی کہانی	۱۴۰
24	روم سے تل ابیب تک	۱۴۸
25	آہ! القدس	۱۵۳
26	اندھیری بستیاں	۱۵۶
27	دو عورتیں ایک کہانی	۱۶۲
28	فلسطینی مجاہد کے ساتھ ایک شام	۱۶۴
29	ابھی نسل کا عرب شعرا	۱۶۸
30	اے میری قوم کے لوگو!	۱۷۴
31	روانو کی مثالیں	۱۸۲
32	تلاش کا سفر	۱۹۰
33	بچھوؤں کا ناچ	۱۹۶
34	ہزار چہروں والا آدمی	۲۰۱
35	فلیش پوائنٹ	۲۰۷
36	راولپنڈی پتھر کی مار	۲۱۳
37	ہیکل سلیمانی افسانہ یا حقیقت	۲۱۸
38	سامری کا بچھڑا	۲۲۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
39	عظیم تر اسرائیل کیا ہے؟	۲۲۶
40	القدس کے غداریوں کے نام	۲۳۰
41	اے بنی اسرائیل ...!	۲۳۶
42	دو قبریں ایک سبق	۲۴۰
43	طوریٰ ماکاراز	۲۴۸
44	نقب کے دہانے پر	۲۵۳
45	کاسابلانکا سے اسرائیلی پارلیمنٹ تک	۲۶۰
46	گش ایمونیم	۲۶۹
47	زرد گنبد کی شہیدہ	۲۷۶
48	تورات کیا کہتی ہے؟	۲۸۳
49	بہترین دوست بدترین دشمن	۲۸۸
50	قیامت کے سائے	۲۹۴
51	ستم گروں کو کون سمجھائے؟	۳۰۰
52	آخری واپسی	۳۰۵
53	مغربی ممالک پورے فلسطین پر اسرائیل کا قبضہ چاہتے ہیں (انٹرویو)	۳۱۴
54	نئی صدی میں عالم اسلام کو درپیش چیلنج	۳۲۴
55	صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟ (نظم)	۳۳۰
56	اے ارض فلسطین (نظم)	۳۳۵

لعلِ زرّیں کے نام

کتابیں عام طور پر سیاہی سے لکھی جاتی ہیں..... لیکن آپ یقین کریں کہ کاغذات کا جو پلندہ آپ کے ہاتھ میں ہے یہ کتاب تو ضرور ہے..... لیکن اس میں جو کچھ ہے وہ قلم کو سیاہی سے تر کر کے نہیں، خونِ جگر میں اُنگلیاں ڈبو کر لکھا گیا ہے۔

القدس ہمارا وہ عظیم ورثہ ہے جس کے محافظ و خادم کا منصب خالقِ کائنات نے ہمیں بخشا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے جب اس مقدس عبادت گاہ کی حرمت کا تحفظ نہ کیا، اس کی پاکیزہ فضاؤں کو اپنے زہریلے گناہوں سے آلودہ کیا اور بار بار کی تنبیہ کے باوجود باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے انہیں مقامِ "اجتبائیت" سے معزول کر کے امت محمدیہ کو یہ عظیم منصب سونپ دیا۔

اس دن سے..... جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نصرتِ خداوندی سے القدس فتح کیا..... یہ بار امانت ہماری غیرت کا امتحان ہے۔ ہمارے ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اس کے تحفظ میں ہماری ترقی و بقا کا راز مضمر ہے اور اس کے تقدس پر حرف آیا تو ہم سے "اجتبائیت" کا منصب چھن جانے کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان! ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جب یہود بے بہبود کے قدم اس کی دہلیز تک آ پہنچے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب حق و باطل کا جو عظیم ترین معرکہ برپا ہوگا، ہم اس میں اہلِ حق کے دست و بازو بن کر اس اجرِ عظیم کو حاصل کر سکتے ہیں جو نیک بختی اور خوش قسمتی کی بہت بڑی علامت ہے اور جو ہماری نجات کا ضامن اور مغفرت کی ضمانت بن سکتا ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہم میں کوئی ایوبی نہیں جس کی قیادت میں معرکہ لڑا جائے جبکہ

اس بات پہ ہے کہ ہم میں ایوبی بہت ہیں لیکن کوئی ذکی نہیں [13] جو صلاح الدین کو سلطان صلاح الدین ایوبی بنائے۔ ہم میں قدیر خان بہت ہیں لیکن انہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان بنانے والے نہیں البتہ گودڑی کا کوئی لعل اپنی ذاتی کوششوں سے چمکتا ستارہ بن جائے تو اس کی حوصلہ شکنی اور ناقدری کا رواج عام ہے۔ یہ بربادکن روش ترک کر کے ہمیں جو ہر قابل کی حوصلہ افزائی اور مردم سازی کی روایت آگے بڑھانی چاہیے کہ زمانہ ہو تو بڑی زرخیز ہے یہ مٹی ساقی۔

دجال اکبر اس کائنات کا عظیم ترین فتنہ ہے۔ اس فتنے کا مرکز و محور بھی القدس کی سرزمین ہوگی، وہیں اس کا خاتمہ و بربادی بھی یہیں ہوگی۔ اس فتنے کا آغاز تو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے اور جو اس فتنہ کبریٰ کے خلاف برسرِ پیکار عظیم انسانوں کے ہمسفر و ہمراہ ہوں گے۔ یہ چند آنسو انہی عظیم ہستیوں کے نام ہیں۔

کوشش کی گئی ہے کہ یہ عاجزی و بے بسی کے آنسو نہ ہوں، یہ قہر مان اور قہر خیز بارود کی فیتے ہوں۔ ان میں موت کی ٹھنڈک نہ ہو، آتش فشاں کی حرارت ہو۔

آنسوؤں کے ان دو قطروں میں سے ایک مسجد اقصیٰ کے ہال کے نام ہے جو قدسی صفت ہستیوں کی سجدہ گاہ ہے اور دوسرا گنبد صخرہ نامی اس لعل نرزین کے نام جس کے گرد مقدس رشتے حصار باندھ کر وجالی نوجوں کی یلغار کے مقابلے میں قربانی کی لازوال داستانیں رقم کریں گی۔ فلھم احسننا منھم!

شاہ منصور

۱۴۲۸ھ کا پہلا دن

۱۔ سنہ ۵۸۹ھ صلاح الدین ایوبی کے مرنے والے وقت سلطان نورالدین زنگی سزا دیں جنہوں نے ایوبی میں پوشیدہ وہ جوہر قابل دیکھ لیا تھا اور بے شک خوبصورتی کا حامل ایک ہیرا بنا کر خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے مسجد اقصیٰ کی صحن کے احاطہ میں نصب کیا جائے۔

مسجد اقصیٰ کے نام

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی عزت کی علامت اور فتح و سرفرازی کا نشان ہے۔ یہودیوں کے حالیہ سفاکانہ حملے میں یہودی فوجیوں نے نہتے فلسطینیوں کے خلاف ٹینک اور گن شپ ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہادیں جس سے سارا عالم اسلام خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوگیا ہے۔ ضرب مومن اس نازک تاریخی موڑ پر اپنا فرض ادا کرنے کے لیے ایک انقلاب آفریں تاریخی، معلوماتی اور تحقیقی سلسلہ شروع کر رہا ہے۔ جس میں ارض مقدس فلسطین کی فضیلت اور اہمیت سے لے کر حرم قدسی کے مکمل تعارف اور تاریخ تک اور فلسطین میں یہودی ریاست کی داغ بیل ڈالنے کے ناپاک منصوبے کے آغاز سے لے کر مسجد اقصیٰ کو نعوذ باللہ شہید کرنے کی سازشوں تک ہر چیز کو انوکھے انداز میں بے نقاب کیا جائے گا۔ اس میں قارئین پہلی مرتبہ مستند علمی تحقیقات، سنسنی خیز انکشافات اور کچھ منتخب نادر و نایاب تصویریں اور نقشے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس سے پہلے کسی جریدے میں شائع نہیں ہوئیں۔ یہ سلسلہ ایک مستند دستاویز کے طور پر ہی نہیں بلکہ جذبۂ جہاد کی روح پھونکنے اور بیداری کی لہر دوڑا دینے کے حوالے سے بھی ان شاء اللہ عرصے تک یاد رکھا جائے گا۔

بے وفائی:

اس میں شک نہیں کہ بے وفائی بہت بری خصلت ہے اور اعلیٰ ظرف و جوانمرد لوگوں کی نظر میں نہایت افسوسناک چیز ہے، لیکن جس طرح کی بے وفائی اور بے مروتی عصر حاضر کے مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ سے برتی ہے، وہ ایسی دردناک اور الم انگیز ہے کہ تاریخ عہد وفا اور روادار جور و جفا میں اس کی نظیر نہیں لائے گی۔ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے نزدیک تیسرا مقدس ترین

مقام ہے۔ اس کی حفاظت وخدمت اور ناپاک صلیبیوں اور غلیظ صہیونیوں سے اس کا تحفظ ان کا اوّلین فرض ہے لیکن ان کا تعلق اب اس سے اتنا رہ گیا ہے کہ سال میں ایک دفعہ واقعہ معراج کے حوالے سے وہ اس تاریخی مقام کا تذکرہ کرلیں یا اسرائیل کی طرف سے اس کی بے حرمتی کی خبر نشر ہونے پر اونگھتے ہوئے شخص کی طرح آدھے سوتے اور آدھے جاگتے سن لیں، بس اتنا کافی ہے۔۔۔ اس سے آگے کا نہ کبھی ان کے ذہن میں کوئی خیال آتا ہے اور نہ کبھی اس سانحے کا احساس ہوتا ہے جو ان کے جیتے جی رونما ہو چکا ہے۔ دنیا کی مردود و منحوس ترین قوم یہود نہ صرف ارضِ فلسطین پر تسلط جما چکی ہے اور باہر کے مسلمانوں کا یہاں داخلہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے بلکہ مسجد اقصیٰ کے گردوان کی کئی قسم کی سرگرمیاں اور مذہبی رسومات جاری ہو چکی ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ آج فلسطینی مسلمان کم از کم وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن جس منصوبہ بندی سے یہودیوں کی پیش قدمی اور حالات پر گرفت مضبوط کرنے کا عمل جاری ہے اور جس کمال بے نیازی اور بے حسی کا مسلمان حکمران مظاہرہ کر رہے ہیں اس کو دیکھ کر لگتا ہے کہ خاکم بدہن کہیں وہ وقت نہ آجائے جب صہیونی ریاست کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لیے سرگرم عمل یہودی اس اسلامی ورثے میں مسلمانوں کا داخلہ بند کر کے اسے مکمل طور پر یہودی عبادت گاہ قرار دے دیں۔

صورتحال کی سنگینی:

آج ہم واقعہ معراج کی یاد بہت گرمجوشی اور شان و شوکت سے مناتے ہیں لیکن افسوس کہ اسراء و معراج کے عظیم "مسجد اقصیٰ" کے یہودیوں کے پاس چلے جانے کا غم اس دن کوئی نہیں مناتا۔ اس روز ہماری مساجد جگمگا رہی ہوتی ہیں لیکن یہی اس وقت مسجد اقصیٰ پر اندھیروں اور صہیونی تسلط کا راج ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں عظیم الشان محفلیں منعقد ہو رہی ہوتی ہیں لیکن مسجد اقصیٰ کی سوگوار فضا میں ویرانی ڈیرہ ڈالے ہوتی ہے۔ شب معراج کو ہمارے مذہبی معاشرے میں مرکزی حیثیت دی جاتی ہے لیکن مقام معراج کے تحفظ اور اس کی خاطر جہاد کرنے والوں کو ضمنی درجہ بھی نہیں دیا جاتا۔ ہمارے خطباء واقعہ معراج کی تفاصیل اور اس رات کی فضیلت سناتے سناتے صبح کر دیتے ہیں لیکن بیت المقدس پر جو شب غم چھائی ہے۔ اس کی صبح کب اور

کیسے ہوگی؟ اس کا نہ کوئی ذکر کرتا ہے نہ اس کے اندھیرے کو ختم کرنے اور صبح کی کرنوں کو راستہ بنانے کی فکر ہوتی ہے۔ یہودیوں کا اصرار ہے کہ مسجد اقصیٰ سے دستبردار ہو کر یروشلم سے باہر ابو دیس نامی گاؤں کو مقدس مان لیں، اس کے لیے وہ فلسطینی مسلمانوں پر ہر طرح کا دباؤ ڈال رہے ہیں، ظلم و جبر کر رہے ہیں لیکن ہمارے دانشوروں اور رہنماؤں کو اس کا علم ہے نہ اس کے توڑ کے لیے کچھ کرنے کا شعور۔ یہودیوں نے فلسطین کی حدود کو مسجد اقصیٰ کے گرد سے گھما کر دیا ہے، باہر کا کوئی کلمہ گو وہاں داخل نہیں ہو سکتا، اندر کے نہتے مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، مسجد اقصیٰ کی ایک دیوار کو انہوں نے اپنی عبادت کے لیے مخصوص کر لیا ہے جو قدیمی کے مقام پر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے ان کی منصوبہ بندی روز بروز آگے بڑھ رہی ہے لیکن ہمارے یہاں صورتحال کی نزاکت کا کسی کو ادراک ہے، نہ گولیوں کا مقابلہ پتھروں اور غلیلوں کا مقابلہ غلیلوں سے کرنے والے فلسطینی مسلمانوں کی تنہائی اور بے بسی کا احساس۔ اس عالم میں مسجد اقصیٰ پکارتی ہے: اے اہل اسلام! تمہاری غیرت کو کیا ہوا؟ کیا تم صرف مجدوں پر بخشے دیے جاؤ گے؟ کیا شعائر اسلام کے تحفظ کے بغیر تمہاری عزت باقی رہ سکتی ہے؟ کیا مسجد اقصیٰ کے بعد دوسری مساجد محفوظ رہ سکتی ہیں؟ لیکن مسلمان اپنے حال میں مست ہیں۔ ان کے خیال میں بعد وعیدین میں شرکت اور شب معراج منا لینا اسلام سے مضبوط تعلق کی نشانی ہے۔ جس جس نے یہ سب کچھ کر لیا اس سے روز قیامت مسجد اقصیٰ کے تحفظ کے لیے کوئی سوال ہوگا نہ بے دردی سے مارے جانے والے مظلوم فلسطینیوں کے انتقام کے لیے کچھ نہ کرنے پر اس سے پوچھ ہوگی۔ نہ یہودیوں کے ظلم کے خاتمے کے لیے کچھ سوچنا ان کے فرائض میں شامل ہے اور نہ روتی چلاتی ماؤں، بہنوں اور سسکتے کراہتے نوجوان زخمیوں کے لیے کچھ کرنا ان کی شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔

سکون میں چھپا طوفان:

جس طرح طوفان کی آمد سے قبل سمندر کی سطح پُرسکون ہوتی ہے اسی طرح کچھ عرصے سے فلسطین پر تو جبل یہودیوں کی طرف سے کوئی بڑی کارروائی نہ ہو۔ اس اچانک سناٹے کا چیش

غیر متوقع جو گزشتہ سے پیوستہ جمعہ کو مسجد اقصیٰ میں پیش آیا۔ اس واقعے نے کاروبارِ زندگی میں مگن اہل اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور قضیۂ مسئلہ کو بڑا دیا ہے کہ مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی دادرسی اور مسجد اقصیٰ کی بازیابی زبانی جمع خرچ یا کلامی مباحثات سے نہیں، جہاد کے ذریعے شہادت کے راستے سے ہوگی۔ اس کے لیے نہ امریکا کی طرف دیکھنے سے کوئی فائدہ ہوگا نہ بیان بازی یا مطالبات سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی صلاحیت حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہودیوں کے لیے کیسے ممکن ہوا کہ ۲۲ ہزار کے مسلح فوجیوں کے مجمع میں گھس جائیں اور ان کے سروں پر گولیاں برسا کر انہیں مسجد خالی کرنے پر مجبور کریں؟ کیا صرف اس لیے نہیں کہ انہوں نے مصلحتوں کو جیتے ہوئے پر مجبور کر رکھا ہے اور خود ان کی فوج ہر طرح کے اسلحے سے لیس اور ان کا ہر شہری تربیت یافتہ ہے۔ فلسطینی مسلمانوں میں شوقِ شہادت کی کمی نہیں، لیکن ان کی جو قیادت عالمی برادری کے سامنے سینہ سپر کا مقدمہ لڑ رہی ہے، وہ ابتدائی نابلد، جذبۂ جہاد سے محروم اور غیر مخلص ہے، اس نے یہودیوں کے تباہ کار راز جاننے اور اس کے توڑ کے حقیقی اسباب کو اپنانے اور اس کے لیے فلسطینی مسلمانوں کو تیار کرنے کی بجائے نام نہاد اتھارٹی قائم کر کے مذاکرات اور بات چیت کی جو پٹی ڈال رکھی ہے، اس نے مسلمانوں کو بھی دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور کافروں کو بھی، اپنے پنجے مضبوط کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ فلسطینی عوام، ان کی وہ تنظیم جو علماء، وقت اور جذبہ جہاد رکھنے والے رہنماؤں کی سرپرستی میں کام کر رہی ہے، اسباب وہ وسائل نہیں رکھتی، عالم اسلام کے صاحب دل لوگوں سے اس کے رابطے نہیں، اور یوں فلسطینی مسلمان بے بس و لاچار اور بے یار و مددگار یہودیوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور خدا کی سخت غضب و لعنت اور انبیائے کرام کی گستاخ یہودی تو ہر روز بڑھ بڑھ کر اپنے مکر و منصوبوں کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔

آخر اس قدر بے توجہی کیوں؟

اس مرتبہ یہودیوں نے جو جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا ہے، وہ ان کے عزائم اور مستقبل کے منصوبوں کا صاف پتہ دے رہا ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسجد اقصیٰ کے اندر بے تحاشا اور

اندھا دھند گولیاں چلائیں بلکہ بعد میں گھن شب ہی کا پٹرول میں بیٹھ کر مسلمانوں کے گھروں پر راکٹ فائر کیے اور لیکنوں کو سڑکوں پر لا کر بھی شہری آبادی پر براہ راست گولہ باری کے ذریعے ان کے احتجاج کو دبانے کی کوشش کی۔ ان کے رویے میں یہ شدت کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے۔ یہودیوں نے خاموشی کے اس عرصے میں زمین تیاری کی اور عمل کی شدت کا اندازہ لگایا۔ عالم اسلام کی ارض مقدس فلسطین سے بے رخی اور فلسطینیوں کی حالت زار سے بے توجہی کا مشاہدہ کیا اور پھر اچانک تشدد کی یہ سفاکانہ لہر برپا کر دی۔ اس کی جو تفصیلات اب تک سامنے آئی ہیں اور جس طرح نوجوانوں کو قریب سے فائرنگ کر کے بے دردی سے شہید کیا گیا ہے، خواتین کی جو آہ و فریاد اور فلسطینیوں کی اجاڑی کے جو مناظر دیکھنے کو ملے ہیں، ان سے ہر حساس شخص ہل جاتا ہے، بھر لہو لہو ہو جاتا ہے، دل انتقام کی آگ سے آتش فشاں کی طرح لپک اٹھتا ہے۔ اے مسلمانو! خدا کے واسطے ذرا سوچو اب پانی کیا رہ گیا ہے؟ بابری مسجد کا زخم مندمل نہ ہوا تھا کہ مسجد اقصیٰ پر وار ہونے لگا ہے۔ اب تو جہاد پر اٹھو، جہاد کی تربیت حاصل کرو، اس کے لیے اپنی جیبوں کے منہ کھول دو، اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچو، ان بے بسوں کی فریاد رسی کرو۔ خدا نے جس کو جو دے رکھا ہے آج وقت ہے کہ وہ اس کو ان بے سہارا مظلوموں کی مدد کے لیے استعمال کر کے اپنی نجات کا سامان کرے۔ دنیا بھر کے یہودی اسرائیل کو اپنا مقصود و مطلوب قرار دے کر اس کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی انسان اپنے مقصد کی خاطر کر سکتا ہے، لیکن ان کی کوششوں پر ذلت و رسوائی کی مہر لگی ہوئی ہے، تو مسلمان خدا کی رحمت کے حصول سے اتنے مایوس اور اپنے انجام سے اتنے بیزار کیوں ہو گئے کہ وہ فلسطین اور اس کے بے سہارا باسیوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں؟؟

حکمرانوں کی عدم دلچسپی

اس حوالے سے سب سے زیادہ مایوسی مسلمان حکمرانوں کی طرف ہے۔ عوام تو مظاہرہ اور احتجاج کے سوا کیا کر سکتے ہیں؟ اگر کسی کی بات میں وزن ہے یا کوئی فلسطینی مسلمانوں کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے تو وہ حکمران ہیں لیکن وائے افسوس! وہ صاف دیکھ رہے ہیں کہ

اسرائیل جبر و ستم کی حدوں سے گزر گیا ہے اور اب حکمرانوں کی طرف سے مؤثر آواز اٹھائے بغیر اس کو لگام دینی مشکل ہے لیکن اس کے باوجود وہ امریکا کے خوف سے اس بارے میں کچھ نہیں کہتے کہ کہیں دنیا کی واحد سپر پاور اپنے پالے ہوئے جنگلی سور کے خلاف بولنے پر ناراض ہو کر ان کے اقتدار کے خلاف سازشیں نہ شروع کر دے۔ لیکن قسم خدائے بزرگ و برتر کی! اس سنگین ظلم پر خاموشی اتنا سخت گناہ اور خدا تعالیٰ کی ایسی شدید ناراضگی کا سبب ہے کہ امریکا آپ کے اقتدار کا حامی ہو یا مخالف، اس بے حسی کے جرم پر قدرت کی گرفت اس دنیا میں ہی ہو کر رہے گی اور امریکا کی مخالفت سے خدا کی پناہ پکڑی جا سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ بھی نہیں ملے گی۔

انجام گلستاں:

اس وقت مسلم امہ ایسے انتشار کا شکار ہے اور مسلمان عوام ایسے بے بس ہو چکے ہیں کہ اتنے بڑے واقعے پر چند ٹیک بیانات اور مظاہرات کے علاوہ کوئی قابل ذکر ردعمل سامنے نہیں آیا۔ دوسری طرف تمام بڑی بڑی غیر مسلم طاقتیں اسرائیل کے ساتھ ہیں اور اس کو اتنا مضبوط کر چکی ہیں کہ اب فلسطینی مسلمان تو کجا، کوئی عرب یا غیر عرب ملک اس کے خلاف کوئی مضبوط قدم نہیں اٹھا سکتا، سب مذاکرات پر زور دیتے ہیں اور ان کی کامیابی کی تمنا کرتے ہیں لیکن آج تک اس سے قبل دنیا میں کسی مقتدار کو اس کا حق بات چیت سے نہیں ملا، یہود جیسی مکار قوم مسلمانوں کو اگر ان کا حق زبانی کلامی کوشش سے دے دے تو اسرائیل کے قیام کی ضرورت ہی کیا تھی؟ فلسطینی مسلمانوں نے تو مدت نہیں ہاری۔ وہ جدید ترین اسلحے کا مقابلہ غلیل سے کر رہے ہیں اور ایک ہتھیار ان کے پاس ایسا ہے جو اس وقت کام دیتا ہے جب سارے ہتھیار ناکام ہو جائیں یعنی فدائی حملہ۔ سو اس وقت فدائی حملے ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں، مسجد قبلی اگر وہ واپس نہیں لے سکتے تو اس کے لیے جان تو دے سکتے ہیں، سو وہ دے رہے ہیں..... لیکن فلسطین سے باہر دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ صورتحال یہی رہی تو انجام گلستاں کیا ہوگا؟ فلسطینی مسلمانوں کو اس مشکل وقت میں تنہا چھوڑ دیا گیا تو دنیا

گھر میں جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان کے خلاف دشمنانِ اسلام تباہ کن یلغار کے لیے پر تولے بیٹھے ہیں، ان کے تحفظ کی کیا ضمانت دی جائے گی؟

اے ایوبی کے فرزندو!

کاش! آج کوئی سلطان صلاح الدین ایوبی نہیں جو تاریخ کا رخ موڑ سکے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ مسلم اُمہ بانجھ ہو چکی ہے۔ آج بھی سلطان صلاح الدین کے جانشین پیدا ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلم نوجوانوں میں لہو و لعب کو رواج دینے کی بجائے مقاصدِ عالیہ کے حصول کی فکر پیدا کی جائے، انہیں فسق و فجور کے رجحانات سے بچا کر جہاد کے ذوق اور شہادت کے شوق سے آشنا کیا جائے، ان میں فحاشی و بے راہ روی کے جراثیم کے پھیلاؤ کی روک تھام کر کے بلند و تعمیری فکر پیدا کیا جائے۔ بھلا! آج ایوبی کے کتنے فرزند ہیں جو اس کے جانشین بن سکتے ہیں لیکن انہیں مغرب اور دنیا کا طالب اور عیش پرستی کا دلدادہ بنا دیا گیا ہے۔ کتنے ہی مسلم نوجوان ایسے ہیں جو اپنے وقت اور صلاحیتوں کو صحیح مصرف میں استعمال کریں تو مسجد اقصیٰ کی جنت گم گشتہ مسلمانوں کو واپس دلا سکتے ہیں لیکن انہیں عزت و شہادت کے راستے سے ہٹا کر بے مقصد کھیل، تفریح اور فضول مشغولیات میں لگا دیا گیا ہے۔

اے ایوبی کے فرزندو! اپنے مقام اور ذمہ داریوں کو پہچانو! مسجد اقصیٰ کی سوگوار فضا سے آنے والی صداؤں کو سنو اور بد بخت یہودیوں کو ان کے آخری انجام تک پہنچانے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، ورنہ جیسے یہ دنیا ہم پر تنگ کر دی گئی ہے، کل قبر بھی ایسی تنگ نہ ہو جائے کہ زمین ہماری لاشوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔

اے مسجد اقصیٰ! تجھے عزت بخشنے والے کی قسم! تیرے بیٹے تجھے واگزار کرانے کے لیے جان کی بازی لگا کر رہیں گے۔ اگر تجھ تک نہ پہنچ سکے تو تیرے گرد اپنے خون اور جسموں سے ایسی باڑ ضرور تعمیر کر دیں گے جو تیرے دشمنوں کو تجھ تک نہ پہنچنے دے گی۔

"قولِ فیصل"

روئے زمین پر آج سب سے بڑا ظلم فلسطین میں ہو رہا ہے۔ فلسطین میں صدیوں سے آباد، عرب باشندوں کو بے وطن کر دیا گیا ہے۔ ایک سازش کے تحت دنیا بھر سے یہودیوں کو لا کر وہاں بسایا گیا اور اسرائیل کی ناجائز مملکت قائم کر کے عربوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے گئے ہیں۔ فلسطین پر عربوں کا حق ثابت کرنے کے لیے درج ذیل نکات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نکات اس تقریر سے اخذ کیے گئے ہیں جو عالم اسلام کے نامور سپوت، سعودی عرب کے فرمانروا، شاہ فیصل مرحوم نے ایک بین الاقوامی سیمینار میں کی تھی:

☆..... یہودی فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں۔

☆..... یہودی دراصل بیرونی حملہ آور تھے جو فلسطین پر طاقت سے مسلط ہونے کے بعد کچھ عرصہ فلسطین میں رہے اور اس کے بعد نکال دیے گئے۔

☆..... فلسطین میں ان کی موجودگی کا عرصہ نہایت مختصر تھا۔

☆ فلسطین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک کبھی خالص یہودی حکومت قائم نہیں ہوئی۔

☆ فلسطین میں یہودیوں کی کبھی اکثریت نہیں رہی۔

☆..... جب فلسطین سے یہودیوں کو نکال دیا گیا تو اس میں صرف اس کے اصل باشندے ہی رہ گئے جو شروع سے لے کر آج تک وہیں رہ رہے ہیں۔

☆..... سولہ سو سال کی طویل مدت کے دوران فلسطین میں کبھی کوئی یہودی آباد نہیں رہا۔

☆ عربوں کی حکومت تقریباً ساتویں صدی سے فلسطین میں رہی۔

☆..... آج وہاں بیکڑوں تاریخی عمارات موجود ہیں جو عرب طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں۔

معتصم! تم کہاں ہو؟

غیرت مند نسلیں:

بے بس اور مظلوم عورت کی چیخیں جتنی تیز ہوتیں، منگ دل رومی (آج کا یورپ اس زمانے میں روم کہلاتا تھا) کے قہقہے اتنے ہی بلند ہوتے جاتے تھے۔ اس نے ایک زور کا تھپڑ بھی عورت کے منہ پر جڑ دیا۔ عزت دار خاتون سے یہ ذلت برداشت نہ ہوئی تو وہ بے اختیار پکار اٹھی: اے معتصم! تم کہاں ہو؟ اے ہمارے عمران! ہماری مدد کون کرے گا؟ مرد اس کی یہ بات سن کر اور بھی کھلکھلا کر ہنسا۔ بے وقوف عورت کو دیکھو بھلا اس کی حاضر غائب وقت مدد کو آئے گا؟ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمانوں میں ایک جسم ہونے کا احساس باقی تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کسی ایک کو مشکل، آفت یا دشمن نے گھیر رکھا ہو اور وہ دوسرا اپنی روزمرہ کی معمول کی زندگی میں بدستور مصروف رہے۔ اسے اپنے بھائی کی مشکل دور ہونے تک چین نہ آتا تھا۔ بغداد کی مسند خلافت پر معتصم باللہ موجود تھا اور یہ مظلوم عورت اس سے سینکڑوں میل دور روم یوں کے علاقے میں واقع "عموریہ" نامی قلعے میں قید تھی۔ معتصم باللہ اپنے آباء و اجداد جیسا کوئی بہت ہی صاحب جاہ و اقتدار بادشاہ نہیں تھا مگر ان کی رگوں میں غیرت مند خون ضرور بہ رہا تھا اور اس زمانے کے عمر عمران بھی غیرت و حمیت میں اپنی مثال آپ ہوا کرتے تھے۔ اسے کسی طرح خبر ہو گئی کہ اس مظلوم عورت نے اس کی غیرت کو جھنجھوڑنے والی صدا لگائی ہے۔ اس پر دن کا سکون و رات کا آرام حرام ہو گیا۔ اس نے خبر لانے والے سے یہ نہ پوچھا کہ اس قلعہ میں کتنی فوج ہے؟ اس کا سوال یہ تھا کہ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ یہ قلعہ ہے کہاں؟ اس کے بعد اس نے صبح شام جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور آندھی طوفان کی طرح پہنچ کر اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کی فوج کا غیظ و غضب اتنا شدید اور ان کے حملے اتنے زوردار تھے کہ قلعے کی

زیادہ دولت نہیں

شاید شاید

غیرت کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے کہ شاید ان معصوم بچوں کی قربانی دیکھ کر کوئی مسلم نوجوان دنیا کے جھمیلوں سے پیچھا چھڑا کر خود کو مظلوم مسلمانوں کے لیے وقف کر دے۔ شاید کسی کے دل میں غیرت کی کوئی چنگاری شعلہ پکڑ لے۔ شاید... شاید...

بغیر پیندے کے لوٹے:

غضب ہے کہ اسرائیل کے روز بروز جرأت اقدامات کے باعث جاپان میں مظاہرے اور فرانس میں یہودی املاک پر حملے شروع ہو گئے ہیں لیکن مسلمان ممالک فلسطینیوں کی بے پناہ مظلومیت کے باوجود ان کی مدد سے گریزاں ہیں۔ بزدلی اور منافقت کی انتہا دیکھیے کہ لبنان میں عرب عیسائی اور کوالالمپور میں تمام مسلم ممالک جمع ہوئے لیکن خود کچھ کرنے کی بجائے اقوام متحدہ سے مطالبہ کرتے رہے کہ اس نے جس بھیڑیے کو کھلا چھوڑ رکھا ہے اسے لگام دے تاکہ زخمی فلسطینیوں کی چیخ و پکار سے ان عزت مآب حکمرانوں کے آرام و سکون میں خلل نہ پڑے۔ عالم اسلام کے نمائندہ ان بہادر اور ذی وقار حکمرانوں سے نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ یہودیوں کا معاشی بائیکاٹ کریں یا کم از کم اپنا پیسہ ان کے بینکوں سے نکلوا لیں، نہ وہ اتنی جرأت کرتے ہیں کہ اپنے وشنتوں کو تیل کی فراہمی بند کر دیں یا ان کے سرپرستوں کی عاجزانہ حضوری کی ذلت کو خیرباد کہہ کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔ نہ انہوں نے کبھی مل کر یہ سوچا ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کی مدد کے لیے کچھ کریں یا فلسطینی مہاجرین کی کفالت کا ذمہ لے لیں۔ غضب خدا کا ایک ارب مسلمانوں کے یہ نمائندے چند لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کیا ان کا مقابلہ کرنے والے نہتے نوجوانوں اور بچوں کے کچھ کام بھی نہیں آ سکتے؟ اگر موت کے ڈر یا شدت پسندی کے الزامات کے خوف سے فدائی مجاہدین کی حوصلہ افزائی ان کے بس میں نہیں تو کیا مہاجر کیمپوں میں پڑے بے بس مسلمانوں کی سرپرستی یا ہسپتالوں میں زخموں سے بے حال بچوں کی خبر گیری بھی ان کے لیے ممکن نہیں؟ سچ ہے غیرت کے بغیر انسان ایسا ہی ہے جیسے پیندے کے بغیر لوٹا۔ جہاں کہیں پڑا رہے یا جو اسے جہاں لڑھکا دے اسے کچھ پروا نہیں ہوتی۔

کاش! آج امت میں عمر بن عبدالعزیز نہ سہی، معتصم باللہ جیسے حکمران ہوتے تو فلسطینی مسلمانوں کو اپنی بے بسی کا احساس یوں نہ ستاتا۔

القدس تاریخ کے تناظر میں

☆ ۳۰۰۰ قبل مسیح کنعانیوں (یبوسیوں) نے اس کو بنایا۔

☆ ۱۸۵۰ قبل مسیح حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے اور یہاں کے بادشاہ سے ملے۔

☆ ۱۰۰۴۔ ۹۳۴ قبل مسیح "القدس" پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت رہی۔

☆ ۵۸۷ قبل مسیح بابل نمرود کے ہاتھوں یہ تباہ و برباد کیا اور یہاں کے یہودی قیدی بنا لیے گئے۔

☆ ۳۵ میں رومی بادشاہ ہیرڈین نے یہاں سے یہودیوں کو نکال دیا۔

☆ ۶۰۰۔ ۱۳۲۶ میں القدس بزنطینی استعمار کے زیر نگیں رہا۔

☆ ۱۵ ہجری، ۶۳۶ عیسوی میں مسلمانوں نے معرکہ یرموک کے بعد ان علاقوں کو آزاد کرایا۔

☆ ۱۷ ہجری، ۶۳۸ء میں ۳۰۰۰ صحابہ نے اسے فتح کیا اور یہاں کے بادری صفرونیوس نے شہر کی چابیاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور معاہدہ کیا۔

☆ ۴۹۳ ہجری، ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے یہاں پر قبضہ کیا۔

☆ ۵۸۳ ہجری، ۱۱۸۷ء میں معرکہ حطین میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے صلیبیوں کو شکست فاش دی اور القدس کو آزاد کرایا۔

☆ ۶۵۸ ہجری، ۱۲۶۰ء میں معرکہ عین جالوت ہوا جس میں القدس کو تاتاریوں سے آزاد کرایا گیا۔

☆ ۹۳۴ ہجری، ۱۵۱۶ء میں عثمانی خلافت نے اسے اپنا حصہ بنایا۔

☆ ۱۳۳۶ ہجری، ۱۹۱۷ء میں پہلی جنگ عظیم ہوئی، خلافت عثمانیہ ختم کر دی گئی اور القدس

انگریز کے قبضے میں چلا گیا۔

۱۹۱۷ء میں "بالفور" معاہدہ ہوا اس کے تحت یہاں "یہودی ریاست" قائم کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

۱۳۶۸ھ ہجری، ۱۹۴۸ء میں فلسطین کے ۷۸ فیصد علاقے میں اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

۱۳۸۷ھ ہجری نے ۱۹۶۷ء میں یہود نے فلسطین کے باقی ماندہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

۱۴۰۸ھ ہجری ۱۹۸۷ء میں یہودیوں کے خلاف جدوجہد کا اعلان کر دیا گیا۔

القدس کے نام (۱)

تاریخی حقیقتیں:

مکہ مکرمہ کی کچھ تاریخی حقیقتوں کو جاننا ضروری ہے، اور جب کسی چیز کے بارے میں اس سے واقف ہو جائیں تو اس کے بارے میں اور صفائی سے اور تیزی سے فیصلہ کی جاتی ہے، اس لئے ان تاریخی حقیقتوں کو جاننا بہت اچھی بات ہے، سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو اور اس کی مقدس زمین کو بہت زیادہ شرف عطا فرمایا ہے، یہاں دنیا کا پہلا گھر بنایا گیا، اور قرآن شہادت کے ساتھ بتاتا ہے کہ یہ گھر ہے جو دنیا کے وجود میں آنے سے پہلے بنایا گیا، اس لئے مقدس چیزوں میں اس کا درجہ اول ہے، اس شہر کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اور چھوٹی بیوی حضرت ہاجرہؑ کو یہاں لا کر بسایا تھا، اور یہاں اپنے تعمیر کردہ گھر کے قریب ہی ان کے لئے ٹھکانا بنایا تھا، اور یہاں سے ان کو واپس جانا پڑا تھا۔

اسی شہر کے بارے میں اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کو یہاں لا کر بسائیں، اور یہاں نماز کی ادائیگی کا حکم دیا تھا، اسی شہر میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کی قربانی کی تھی، اور یہیں حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان میں آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی، اور یہیں سے آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تھا، اور یہیں آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے اللہ کی طرف سے ایسی زمین کا انتظام کیا گیا تھا، جہاں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو امن ملا، اور اسلام کی ترقی کے لئے ایک مرکز ملا، اور یہیں سے آپ نے اسلام کی دعوت کو پھیلانے کا کام شروع کیا تھا۔

قدس تاریخ کے آئینے میں:

القدس کا شہر بھی اللہ کی طرف سے بڑی فضیلت والا شہر ہے، یہ شہر سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ بلند ہے، اور ۳۱ درجہ ۴۶ منٹ شمالی عرض البلد اور ۳۵ درجہ ۱۳ منٹ مشرقی طول البلد پر واقع ہے، اور یہ شہر سے اس کی آبادی ۵۰ سے ۶۰ ہزار کے درمیان

کی سطح سے اس کی بلندی ۱۵۰ میٹر ہے۔ بحرِ روم سے اس کا فاصلہ ۵۲ کلومیٹر، بحرِ مردار سے ۲۲ کلومیٹر اور بحرِ احمر سے ۲۵۰ کلومیٹر ہے۔ القدس دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ یہ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں یکساں طور پر متبرک ہے۔ اس شہر کی آب و ہوا نہایت عمدہ اور صحت افزا ہے۔ یہاں میوے کثرت سے اور نہایت لذیذ اور شیریں ہوتے ہیں۔ القدس کی جو تاریخ آج کی انسانی زندگی کو معلوم ہے اس کے مطابق یہ تقریباً ۴۵ صدیاں پرانا شہر ہے۔ یہ سام سائر سے چودہ ہزار سال قبل عربوں کی ایک شاخ "کنعانی" اور یبوسی آباد تھے۔ ۲۵۰۰ قبل مسیح انہوں نے یہاں اپنی بستیاں بسائیں اور قلعے تعمیر کیے۔ پھر ۱۰۴۹ قبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے فتح کیا اور ان کے فرزند سید حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اسے بہت ترقی حاصل ہوئی۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں یہ اہلِ فارس کے قبضے میں آگیا جب بخت نصر نے یہاں یلغار کی۔ یہودیوں کا قتلِ عام کیا اور جو باقی بچ گئے انہیں غلام بنا کر بابل لے گیا۔ فارس والوں کے یہاں پر اقتدار کا سلسلہ سکندر کے قبضے تک جاری رہا جو ۳۳۲ ق م میں ہوا۔ ۶۳ ق م میں یہاں رومی قابض ہو گئے۔ ان کے ایک بادشاہ ہیرڈوس نے ۱۳۵ء میں اس شہر کو بالکل تباہ کر دیا اور یہاں نیا شہر "ایلیا کاپیتولینا" کے نام سے بسایا۔ رومیوں کے دورِ حکومت میں یہ شہر "ایلیا" کے نام سے جانا جاتا تھا اور یہاں عیسائیت کا دور دورہ تھا۔ قسطنطین بادشاہ کی والدہ ملکہ ہیلانہ نے ۳۳۵ء میں یہاں وہ مشہور گرجا تعمیر کیا جو "کنیسۃ القیامۃ" کے نام سے مشہور ہے۔

۶۱۴ء میں اہلِ فارس یہاں دوبارہ قابض ہو گئے اور یہاں کے گرجاؤں اور عبادت خانوں کو لوٹ کر ویران کر دیا۔ اس وقت پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے اور یہی وہ واقعہ ہے جس پر مشرکینِ مکہ نے صحابہ کرام کے سامنے فخر ظاہر کیا تھا کیونکہ فارسی مشرک اور ان پڑھ تھے اور رومی مسلمانوں کی طرح اہلِ کتاب تھے لیکن قرآن کریم نے پیش گوئی کی کہ عنقریب رومی ظاہری اسباب کے بغیر دوبارہ فارس پر غالب آجائیں گے چنانچہ یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور ہرقل نے ۶۲۷ء میں فارس والوں کو غیر متوقع شکست دے کر یہ شہر فتح کر لیا اور یہاں پھر عیسائیت کا غلبہ ہو گیا۔

القدس اسلام کے سائے میں:

القدس کو سلسلہ وار میں سے سب سے پہلے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتح کیا پھر ۴۶۲ھ تک یہ مسلمانوں کے پاس رہا۔ اموی اور عباسی خلفاء کے دور میں اسے خوب عروج و ترقی ملی۔ گیارھویں صدی عیسوی میں (۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء) میں یورپی عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سلوک کے برعکس وہ مظالم ڈھائے جو ان کی انسانیت سے دوری، ظلم و زیادتی اور جہالت کی علامت کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد کو مسجد اقصیٰ میں جمع کر کے ذبح کیا گیا۔ مسجد میں گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے ۱۱۸۷ء میں اسے دوبارہ فتح کیا اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو کے ساتھ یہاں مدرسے، مکاتب اور اوقاف کا سلسلہ بحال کیا۔ تب سے یہ مسلمانوں کے پاس تھا لیکن انگریزوں نے ۹ فروری ۱۹۲۴ء کو فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یہاں جو پہلا برطانوی مشنری آیا وہ ہربرٹ سیموئیل تھا جو کٹر یہودی تھا۔ برطانیہ اس وقت عیسائی ہونے کے باوجود یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے پوری طرح آلہ کار بنا ہوا تھا لہٰذا یہ وہ وقت ایک سازش کے تحت یہاں یہودی لشکر بھیجا گیا۔ ان نے یہودیوں کے لیے فلسطین کے دروازے کھول دیے۔ اس کی صیہونی تنظیموں نے یہودیوں کو یہاں زمینیں خریدنے کے لیے کروڑوں پاؤنڈ دیے۔ رفتہ رفتہ یہودی مضبوط ہوتے گئے اور آخر کار یہودیوں نے ہر حیلے کی سرپرستی میں ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی سلطنت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ ۷ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیل نے قدیم بیت المقدس پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس دن سے آج تک یہاں مشرقی یورپ اور روس سے یہودیوں کی آمد کا تار مد جاری ہے جس کی وجہ سے نئے یہودی محلے اور آبادیاں قائم ہو رہی ہیں۔ خوبصورت اور کشادہ ہونے کے بہانے عربوں کے محلے اور اسلامی آثار و مقامات مسمار کیے جا رہے ہیں۔ لاکھوں فلسطینی مسلمان یہودیوں کے مختلف حربوں سے تنگ آ کر اپنے دیہات اور شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور شام، اردن کے مختلف کیمپوں میں بے خانماں زندگی گزار

رہے ہیں۔ دیکھیں خدا کا کوئی بندہ کب علم جہاد لے کر اٹھتا ہے اور ان مقدسوں کی داد رسی کے ساتھ اس شہر کو تیسری مرتبہ فتح کرنے کا خواب پورا کر دکھاتا ہے۔؟

مسجد اقصیٰ اور ہیکل سلیمانی:

عام طور پر مشہور ہے کہ مسجد اقصیٰ کی پہلی تعمیر حضرت داؤد نے حضرت سلیمان علیہما السلام نے کی لیکن یہ بات صحیح نہیں، بخاری شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت موجود ہے کہ بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے اور بیت اللہ کی تعمیر ابتدائے آفرینش میں حضرت آدم علیہ السلام نے بحکم الٰہی کی تھی (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی کی قائم کردہ بنیادوں پر تعمیر نو کی تھی) اس حساب سے بیت المقدس کی اولین تعمیر سیدنا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے بہت عرصہ قبل ہو چکی تھی۔ اس طرح یہود یوں کا یہ دعویٰ ہی سرے سے باطل ہو جاتا ہے کہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے سب سے پہلے ہیکل (عبادت گاہ) تعمیر کی تھی البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کی تعمیر نو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام سے صدیوں قبل یہاں ہیکل موجود تھا۔ القدس کی جو تاریخ آج کی انسانی دنیا کو معلوم ہے اس کے مطابق یہاں کنعانیوں اور یبوسیوں کے دور سے ہیکل تعمیر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی کئی مرتبہ یہاں نئی تعمیرات ہوئی ہیں، بعض مرتبہ تو زلزلہ یا حملہ آوروں کی لوٹ مار سے مکمل انہدام کے بعد نئی تعمیر ہوئی ہے جو کبھی یہود کے جانی دشمنوں عیسائیوں اور کبھی مسلمانوں نے کی ..... تو یہودی کس کی وراثت کا دعویٰ کریں گے؟ ایک طویل عرصہ تو یہاں ایسا گزرا کہ یہاں تباہ شدہ ملبے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے جب ان کی بداعمالیوں کی بنا پر سزا دینی چاہی تو چھٹی صدی قبل از مسیح کے اوائل میں بابل کے حکمران بخت نصر نے یروشلم کو فتح کر کے یہودیہ زمین کر دیا اور یہودیوں کے مذہبی صحیفے نذر آتش کر کے ایک لاکھ یہودیوں کو قید کر کے بابل لے گیا، سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں اس واقعے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ یہود کے عذاب الٰہی میں گرفتار رہنے کے اس زمانے میں تقریباً ڈیڑھ صدی تک یہاں سوائے

ویرانی کے اور کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد اہل بصرہ، رومیوں اور رومیوں کی حلیف حکومتوں نے مختلف ادوار یہاں گزارے اور ان کے دور میں یہاں تعمیرات بنتی اور اجڑتی رہیں۔ مختلف اقوام کی حکومتوں کی اس طویل تاریخ کے ہوتے ہوئے یہودی کس طرح اس جگہ پر دعویٰ کرتے ہیں؟ ان کا یہ بے جا دعویٰ ان کی اس ذہنی بدبختی کا حصہ ہے جس کی بنا پر وہ مختلف اقوام عالم کو اپنا دشمن بنا کر ان سے در بدر کھاتے رہے اور اب مسلمانوں کی مخالفت مول لے کر اپنے لیے فیصلہ کن شکست کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔

فتح سے تعمیر تک:

اسلام کا آفتاب عالمتاب جب طلوع ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۲ ہجری، ۶۱۰ء تک اس مقام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے اس لیے یہ مسلمانوں کا قبلہ اول اور ثالث الحرمین کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ مسجد اقصیٰ کا مصداق وہ سارا حرم قدسی ہے جس کے گرد ایک فصیل قائم ہے اور اس میں مختلف عمارتیں ہیں اور قبلۂ اول اس میں موجود وہ چٹان ہے جس پر زرد رنگ کا خوبصورت گنبد قائم ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اس وقت یہاں کے عیسائی حکمرانوں اور پادریوں کی بے توجہی اور بے اولی کی وجہ سے یہ ساری جگہ ویران تھی اور مقدس چٹان پر کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی صفائی کا حکم دیا اور خود بھی صحابہ کرام کے ساتھ مل کر صفائی کی۔ مسند احمد کی صحیح روایت ہے کہ آپ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ میرا مشورہ سنتے ہیں تو چٹان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تاکہ سارا قدس آپ کے سامنے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آپ نے یہودیوں سے ملتی جلتی بات کی۔ میں تو وہاں نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی چنانچہ آپ حرم کے قبلہ والی جانب گئے اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب فاتحین صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۷/۵۹) میں اس روایت کی سند کو جید کہا ہے۔ پھر آپ نے یہاں مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ یہ مسجد کھجوروں کے تنوں اور پتوں سے تعمیر کی گئی تھی۔

آموئی دور خلافت میں جب مرکز خلافت شام میں تھا تو یہ مسجد مسلمانوں کی توجہ کا مرکز اور اہمیت کا حامل رہی اور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مسجد اقصیٰ کی نئی تعمیر کی۔ یہ تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ مقام پر ہی ہوئی اور ان کی مسجد اس کی مسجد کے اندر آ گئی ہے۔ موجودہ تعمیر کی بنیادیں اموی خلفاء کی ڈالی ہوئی ہیں۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ اس طرز ہیئت کا مقدس کی تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے اس طرح اس کو شمار تعمیر ۱۴۰۰ اموی خلفاء کو حاصل ہے۔ بعد ازاں سلاطین اسلام اس کی کچھ نہ کچھ تعمیر، مرمت اور تزئین و آرائش اضافہ کرتے رہے۔

عہد وقائی تعمیرات:

اس وقت جس وسیع مسجد کے ہال کا طول ۲۰۰ گز اور عرض ۱۰۰ گز ہے۔ اس ہال اور برآمدہ کی تعمیر نہایت خوبصورت پختہ تراش خراش سے ہوئی ہے۔ چھت جس ستونوں پر کھڑی ہے وہ اس قسم کے ۷۴ ستون ہیں اور ان کے درمیان کی محرابوں در مسجد نے نہایت کے نہ روئی حصے پر نہایت عمدہ نقش و نگار اور طلائی کام کیا گیا ہے۔ مسجد بڑی معمور نعیش ہے۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ مسجد اقصیٰ کی وسعت اس سے بڑھ کر تھی آج کل جو حصہ مسجد اقصیٰ کہلاتا ہے وہ اس کا صرف ایک حصہ ہے۔ اس میں کسی کو شک نہیں ہوئی۔ مسجد اقصیٰ کا احاطہ اس پورے قطعہ پر ہوتا ہے جس کے گرد یہ فصیل موجود ہے لیکن کبھی صرف اس خاص حصہ کو بھی مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے جو اس چار دیواری کے اندر نماز کے لیے مخصوص ہے۔ فصیل میں سے اندر داخل ہونے کے چودہ دروازے ہیں ان میں سے دس دروازے آج کل زیر استعمال ہیں۔ چار دروازے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے حفاظتی نقطہ نظر سے بند کرا دیے تھے۔ مسجد کے آرائش کنندہ دروازے برآمدے میں سات دروازے ہیں۔ ان کے گنبد بھی حسین ہے۔ اس حسن میں لفظ چھوٹی چھوٹی محرابیں ہیں جن پر نگاہ کے طور پر قمیریں کیے گئے ہیں دروازے۔ ان کے میناروں پانی کی سیڑھیاں، کنویں، مدرسے اور خوابی دروازے ہیں۔ ان عمارتوں میں سب سے بڑی اور نمایاں عمارت چہار دانگ کی عمارت ہے جس کا گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ انھوں کے آج بھی اس قدیمی عمارت کی رونق سے محروم ہیں۔ اس حسن میں جدید تعمیرات نے رواج پا کر

القدس کے نام (۲)

حرم قدسی میں بہت سی ایسی یادگاریں ہیں جن کا تذکرہ اقصیٰ کی مظلومیت یاد دلانے کے ساتھ جذبۂ حریت اور شوق جہاد کو ولولہ بخشتا ہے۔ چند اہم مقامات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ اللہ کرے ایمان کی تازگی اور رجوع الی اللہ و قیام للجہاد فی سبیل اللہ کا باعث ہو۔

دیوارِ براق:

یہ حرم کے جنوب مغرب میں ہے۔ اس کی لمبائی ۴۸ میٹر اور بلندی ۱۷ میٹر ہے۔ روایات میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات یہاں اپنی سواری کو باندھا تھا۔ اس مناسبت سے اسے دیوار براق کہتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں نے حرم کی فصیل کے ساتھ مسجد براق کے نام سے ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی اس کے ساتھ خانقاہ اور وقف جائیدادیں بھی تھیں۔ یہودیوں نے یہاں غاصبانہ قبضہ کر کے مکانات گرانے کے ساتھ مسجد بھی منہدم کر دی اور وسیع ہموار احاطہ کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص کر لیا۔ وہ اس دیوار کو بیکل سلیمانی کا باقی ماندہ حصہ سمجھتے ہیں اور یہاں آ کر روتے دھوتے اور دیوار کی درزوں میں درخواستیں لکھ لکھ کر رکھتے ہیں۔ اس دیوار کو انہوں نے "دیوار گریہ" کا نام دے رکھا ہے اور اس پر ملکیت کا دعویٰ جتاتے رہتے ہیں۔ ان کے اس احمقانہ اور بے بنیاد دعوے کی وجہ سے فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ۱۹۲۹ء میں ان کی اس وقت زبردست جھڑپ ہوئی تھی جب یہاں صیہونی جھنڈا لگانے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کی وجہ سے مسلمانوں میں اشتعال پھیلا۔ مسلمانوں نے ان کی یہاں رکھی ہوئی چٹیں کر یہاں ڈلٹ دیں اور دیوار میں اڑسی کئی پرچیاں نکال کر پھاڑ دیں۔ اس وقت ایک کمیشن بھی

[illegible]

شمال کا ہے جس کا ہر ضلع تقریباً سارے چار میٹر سے اور چھت تین میٹر اونچی ہے۔ چھت میں تقریباً ایک میٹر چوڑا ایک شگاف ہے۔ اس غار میں گیارہ سیڑھیاں اترنے کے بعد ایک محرابی دروازے کے ذریعے داخل ہوا جاتا ہے، یہ محراب دو نہایت سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ غار کے فرش پر بھی سنگ مرمر بچھا ہوا ہے۔ اس غار میں دو محرابیں ہیں دائیں طرف والی محراب کے سامنے ایک چبوترہ ہے جسے عوام "مقام خضر" کہتے ہیں اور شمال کے چبوترے کو "بیت الجلیل" کہا جاتا ہے۔

غرضِ تعمیر:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کس غرض سے اس چٹان پر قبہ تعمیر کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شام اور فلسطین میں جب خلافت اسلامیہ قائم ہوئی تو یہاں کے غیر مسلم عوام ایک طویل عرصے تک رومی سلطنت کے ماتحت رہنے کی وجہ سے ان سے مرعوب تھے۔ اسلامی خلفاء نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اسلامی سلطنت کے شوکت و استحکام کے اظہار کے لیے تعمیراتی شاہکاروں سے بھی کام لیں گے۔ یہ عمارت اسلامی آثار قدیمہ میں سے اولین شاہ پارہ ہے جو روز قیامت تک مسلمانوں کی عظمت و شوکت کی یادگار کے طور پر پہچانی جاتی رہے گی۔ غیر مسلم مؤرخین اور مبصرین آثار قدیمہ کے نزدیک بھی یہ عمارت مسلمانوں کے عروج کے دور کی شاندار علامت سمجھی جاتی ہے۔ بہت سے غیر مسلم مبصرین فن تعمیر و آثار قدیمہ بھی اس کے حسن اور انفرادی خوبیوں کے معترف ہیں۔ ایک فرانسیسی ماہر فن تعمیر نے جو قاہرہ یونیورسٹی میں سول انجینئرنگ کے شعبے کا استاد تھا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: "یہ عمارت صرف ایک تاریخی یادگار ہی نہیں بلکہ یہ بھی نوع انسان کے تعمیر کردہ فن پاروں میں سے بلند ترین معیار کی حامل ہے جو اسے دیکھنے والے کی نظر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس کا حسن اور خوبصورتی واقعی دنیا کے مسلمانوں سے بالاتر ہے۔"

اس خوبصورت گنبدی تعمیر کے بارے میں مفسرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جہاں تک کی حدود میں یہ چٹان تھی اور یہاں لوگوں کی پوجا کا مرکز ایک بڑی چٹان اور زیر زمین غار موجود ہے، امام خطیب ولید بن عبدالملک تعمیرات کا بہت شوق رکھتا تھا۔ مسجد نبوی میں اضافہ

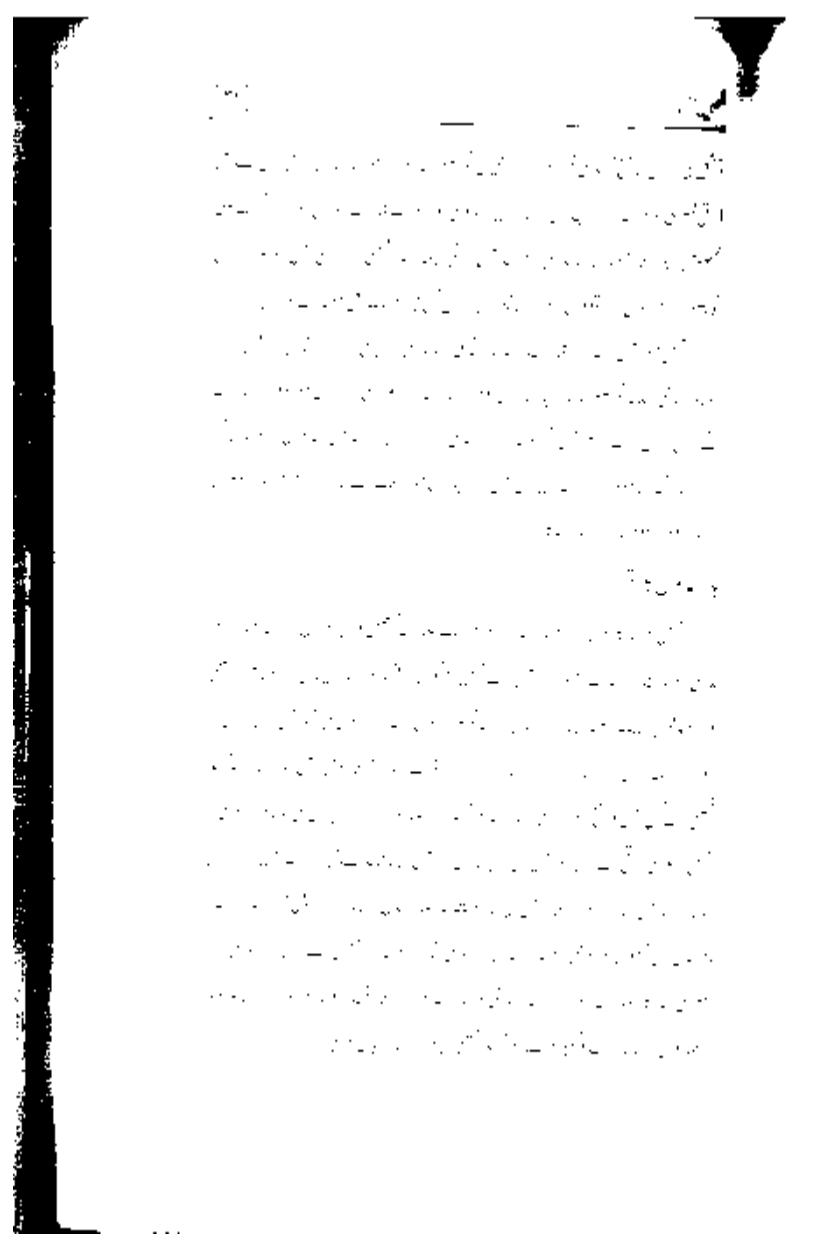

نجات دہندہ کا انتظار:

ہر مسلم کا فرض ہے کہ مسجد اقصیٰ میں اس یہودی جہاز کو پہنچانے کی کوشش جاری رکھیں جس کی پیشگاری کسی مسلم نوجوان کے دل میں ہوئے تو وہ غازی اسد سلطان صلاح الدین ایوبی رفع اللہ درجاتہ کی طرح مسلمانوں کا نجات دہندہ بن کر سامنے آئے۔ اے کاش! ہم وہ دن اپنی زندگیوں میں دیکھ سکیں جب بیت المقدس کی تیسری مرتبہ فتح اور بازیابی کا تاج شہسوارانِ اسلام کے سر پر سجایا جائے گا۔

[illegible] (۳)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسجد قاسمی بھوپال ایک مختصر تعارف

مسجد قاسمی بھوپال کی تعمیر کی تاریخ سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی تعمیر کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۸۴ء میں بھوپال کے ایک معزز شہری جناب [illegible] صاحب نے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک مسجد تعمیر کرانے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے انہوں نے [illegible] کی جگہ منتخب کی۔ اس جگہ پر پہلے ایک مسجد موجود تھی جو [illegible] کے دوران شہید کر دی گئی تھی۔ [illegible] صاحب نے اس مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرایا۔ [illegible] تک مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد [illegible] صاحب نے مسجد کے امام کی حیثیت سے [illegible] کا تقرر کیا۔

[illegible] صاحب کا تعلق [illegible] سے ہے۔ [illegible] کے بعد [illegible] صاحب نے [illegible] کی۔ [illegible] صاحب نے [illegible] کے بعد

نظر کے لئے زادِ راہ اختیار کرے گی۔

مگس نے آج کے ان واقعات کو غور سے دیکھا اور اب اس قیدیوں پر پیٹ
والے اسرائیلی سپاہی سے ملاقات سے گھبرا رہا تھا۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ
فلسطینی کے حالات سے آگاہ کرنے کا یہ ایک اچھا موقع ہوگا۔ اس خیال میں زبانی تواضع اور
انکساری کا جو انداز اپنایا جا رہا ہے وہ مقاومتی انداز ہے فلسطینیوں نے مظاہروں سے لے کر
ہے۔ اس کی ایک جھلک ہے۔ دونوں جنگ بھی لڑے اور مظلوم بھی بنے رہے۔
قریب آنے پر مگس نے دیکھا کہ اسرائیلی سپاہی کے جبڑے پر ایک تھپڑ کا نشان ہے۔ اس
ہوتا ہے کہ آخر ان عورتوں نے کیا کیا ہوگا کہ اس کے چہرے پر ایک تھپڑ کا نشان ہے۔ اس
ہے جو اسرائیل نے فلسطینی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔ اسے فلسطینی عورت کی مظلومیت اور
کمزوری (Atomic, Bacterial & Chamical) سے زیادہ طاقت ور ہتھیار
فلسطینی نوجوانوں کے ہاتھ پر پڑتا ہے تو وہ ایک بجلی کی
کوئی مخلوق میں داخل کر کے کرنٹ دے دیتے ہوں۔ اس کے ہاتھ کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں
تو آخر میں انہیں ان کے کپڑوں سے جلا دیتے ہیں۔ ہوں جو انگلی اٹھایا ہے اور پھر ہلتے
ہیں۔ چاہے پھر جیسے بھی تعلق کرتی ہے اس کیفیت سے پہچانتی ہے اور پھر ہے۔ پہلی انتفاضہ
آنے والے نوجوان اس سے بالکل مختلف ہیں۔ ان نوجوانوں کے ہاتھوں میں پتھر نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں
آنے والے نوجوان اس وقت قیدی ہوتے ہیں لیکن جو وقت ملتا ہے اسرائیلی پولیس سے مقابلہ
کی مار سے بچنے والی تکنیکیں سیکھتے ہیں۔ ایسی چوراہے پر کھڑے ہو کر اسرائیلی
ہو رہا ہے اور اس وقت تک نہیں ہٹتے ہیں جب تک وہ اپنے کیمرے کو بند نہ کر لے۔ اپنے
دیکھتے رہیں گے۔ اسرائیلی حکومت نے اس تبدیلی کو دیکھ کر اپنے حکمت عملی میں تبدیلی
کرنا شروع کر دیا ہے کہ ان علاقوں سے باہر آنے والے نوجوانوں کو گرفتار کیا جائے۔ مگس یہ
کہتے ہوئے وہ اپنی نگاہ کو دوسری طرف موڑ لیتے ہیں جہاں ان کی گرفتاری میں اسرائیلی فوجیوں کے
ہاتھوں تشدد ہو رہا ہے۔

[illegible] نے اس کی تعلیم کی عمومی قبول کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ [illegible] اور [illegible] کے
[illegible] کی [illegible] ہیں جنہیں [illegible] سے کچھ [illegible] ہے اور اپنی [illegible] کی [illegible]
تعلیم کی کاوشوں سے [illegible] پھر [illegible] ہیں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] اور [illegible] میں
[illegible] ہے [illegible] کی [illegible] پر [illegible] رکھتے ہیں [illegible] اصل [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] سے [illegible] کی [illegible] ہے
[illegible] سے [illegible] کی [illegible] ہے۔

اس [illegible] سے [illegible] [illegible] کی [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible]

جہاں تک اس کے دیگر فضائل کی بات ہے تو بہت سی روایات میں ان کے مختلف فضائل وارد ہیں۔ (مثلاً جنت کی چار نہروں یا زمین کے سارے تھے پانی کا اس سے پھوٹنا، اس کا فضا میں معلق ہونا، میدان حشر کا یہاں قائم ہونا وغیرہ) لیکن یہ روایات بیشتر فنی ضعیف ہیں۔ البتہ "[illegible]" (چنان جنت میں سے ہے) والی حدیث مسند احمد ۲۸۷، حدیث نمبر ۲۰۳۶۶، مستدرک حاکم ۳/ ۷۲۸، حدیث نمبر ۶۵۴۲ اور ابن عساکر تاریخ الطب صفحہ ۳۶ میں مذکور ہے اور متعدد سندوں کی وجہ سے حسن کے درجے کو پہنچتی ہے چنانچہ یہ بات تقریباً طے پا چکی ہے کہ حجر اسود کی طرح صخرہ بھی جنت سے آیا ہوا ہے اور دونوں مسلمانوں کے لیے متبرک ہیں۔

یہ چٹان چونکہ یہود کا بھی قبلہ تھی اور ان کی مذہبی داستانوں کے مطابق اصل تورات اس کے قریب کہیں مدفون ہے اور ہیکل سلیمانی اسی پر قائم کیا گیا تھا لہٰذا وہ اس پر قائم مسلمانوں کی تعمیر کردہ شاندار عمارت کو گرا کر یہاں ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے بے تاب ہیں اور اس بے تابی کی وجہ محض مذہبی نہیں۔ کافی حد تک سیاسی ہے۔ یہودی عقیدے کے مطابق ان کو دنیا بھر کی تذلیل و تحقیر سے نجات دلا کر یہود کی عالمی حکومت قائم کرنے کا کارنامہ تمام تر بدیوں کا محور و منبع دجّال ہی انجام دے سکتا ہے اور اس کی آمد یا ظہور اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کا قصر صدارت قائم کیا جائے اور اس کا قصر صدارت اس چٹان پر قائم ہو جو اس گنبد کے نیچے ہے لہٰذا وہ ہر صورت میں اس گنبد کو (خدانخواستہ) منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ اس حوالے سے یہ "سنسنی خیز تحقیق" بھی بعض لوگ بغیر سوچے سمجھے پھیلاتے رہتے ہیں کہ "اصل مسجد تو وہ ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، اس لیے زیر گنبد کو القدس کی مذمت کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔" بات دراصل یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کا اطلاق اس پوری چار دیواری پر ہوتا ہے اور اس مسجد کے پورے احاطے کا ایک ایک ذرہ حرم قدسی ہے اور یہ دونوں فقرے اپنی اپنی جگہ اہمیت اور حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا یہ بحث قطعاً بے سود ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا حصہ اصل ہے اور کون سا غیر اصل؟ یہ ہو کہ یہ پوری چار دیواری جا ہے جیسا کہ ان کے

[illegible] Three Dimensional [illegible]

تخت داؤد کی واپسی

[illegible]

سرخ پتھر سے تیار کی

[illegible]

درگزر نہ کرتے۔ اس کی دو وجوہ تھیں:

۱۔۔۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کافر و مرتد قرار دینے اور ان کی مقدس اور پاکباز ماں پر تہمت لگانے کے علاوہ انہیں سخت تکلیف پہنچائی تھی جبکہ عیسائیوں کے خیال کے مطابق تو قتل ہی کر دیا تھا۔ قادیانی بدنصیبوں کا عقیدہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ وہ بھی حیات عیسوی کے منکر ہیں۔ (یہ تو قرآن پاک نے آ کر وضاحت کی کہ انہیں قتل کیے جانے سے پہلے بحفاظت آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اب عیسائی حضرات خود سوچ لیں کہ وہ اپنے پیغمبر کا زیادہ احترام کرتے ہیں یا مسلمان؟)

۲۔۔۔ دوسری وجہ یہ کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام قیامت کے قریب زندہ ہو کر دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور دنیا کو ظلم سے پاک کریں گے جبکہ کم بخت یہودی دوبارہ آنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ دجال قرار دیتے ہیں اور ان کے مقابلے میں کانے دجال کو مسیح مانتے ہیں۔ ان دونوں بدبخت اختلافات کی وجہ سے یہود ہمیشہ ناپاک مخلوق قرار دیے گئے۔ حال یہ تھا کہ دنیا میں تو کوئی بھی ناگوار واقعہ ہوتا تو یہود مردود کو اس کا سبب قرار دے کر ان پر عذاب و نکیر کا نیا سلسلہ شروع کر دیا جاتا تھا کہ یورپ میں ایک مرتبہ کالا طاعون پھیلا، اس کے سبب ہٹلر کروڑوں لوگ مرنا شروع ہوئے تو عیسائیوں نے اس کا سبب بھی یہودیوں کو ٹھہرا کر ان کو ملعون کرنا شروع کیا حالانکہ خود یہودی بھی اس وبا کا شکار ہو کر مر رہے تھے۔ اس شدید ابتلاء کے عرصہ میں اگر یہودیوں کو کسی نے پناہ دی تو وہ مسلمان تھے۔ مسلمان نہیں اہل کتاب مانتے کے باعث معمولی ٹیکس (جزیہ) کے عوض جان و مال کا مکمل تحفظ اور مذہبی آزادی فراہم کرتے تھے۔ یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کی یہ تاریخی دشمنی تھی کہ خیر قسم کی ہولناک تباہیوں کے سائے میں پلتی رہی لیکن اب تقریباً سوا سو سال ہونے کو آئے ہیں کہ یہودیوں نے انتہائی پرکاری اور عیاری سے کام لیتے ہوئے عیسائیوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے اور وہ اہل مغرب جو یہودیوں کے جانی دشمن تھے آج مسلمانوں کے جانی دشمن بن گئے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے ناجائز وجود کے بعد تو دنیا بھر سے عیسائیوں کی

خیال ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس تخت پر براجمان ہوں گے۔ یہ عیسائی اس بنا سے یہودیوں کے ہمنوا ہیں کہ ان کے خیال میں فلسطین اور مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وطن ہے اور آپ پہلی مرتبہ کی طرح دوسری مرتبہ بھی یہیں آئیں گے۔ اب عیسائی خود تو پیراز ورکار مسلمانوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ فلسطین کے بعد اور یہودی حمایت کرتے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کو یہاں سے بے دخل کر دیں اور حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لے آئیں تو پھر سارے یہودی بھی عیسائی ہو جائیں گے۔ لیکن ان قلعقہ حضرات کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ جب یہ پہلی مرتبہ عیسائی نہ ہوئے تو دوسری مرتبہ کیسے سچے مسلمان بن جائیں گے؟ ان کی فطرت تو سچ بھی رہی ہے۔

عہد ہزار سالہ:

اور اب آخر میں تھوڑی سی تفصیل تخت داؤد (Throne of David) کے متعلق۔ یہودی عقائد کے مطابق یہ وہ پتھر ہے جس پر پہلے یعقوب علیہ السلام کی تاج پوشی (Coronation) ہوئی تھی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اسی تخت پتھر پر بیٹھ کر تمام انسانوں یعنی جن، انس اور پرندوں پر حکومت کی۔ یہ پتھر یروشلم میں تھا۔ جب رومی جنرل ٹائٹس (Titus) نے یروشلم کو تباہ کیا تو اس پتھر کو اپنے ساتھ روم لے گیا جہاں عیسائیت کا مرکز تھا۔ روم سے یہ پتھر آئرلینڈ پہنچا اور اب چودہ سو صدی عیسوی سے انگلینڈ میں ہے۔ آئرش، سکاٹس اور انگلش بادشاہوں اور ملکاؤں کی تاج پوشی اسی پتھر پر ہوتی رہی ہے۔ اس غرض کے لیے اس پتھر کو تخت نما کرسی میں نصب کر دیا گیا ہے اور اب یہ انگلینڈ کے شاہی چرچ "ویسٹ منسٹر ایبے" میں رکھا ہوا ہے۔ انگریز حکمرانوں کی تاج پوشی اس پر ہوتی ہے اور یہودیوں نے مطابق تیسرا ہیکل شروع ہونے پر وقت آئے گا کہ وہ حکمران سے اس تخت و پتھر کو فلسطین لے جائیں اور اسے اس کی اصل جگہ پر نصب کریں۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ پہلے ہزار سال کے اختتام پر حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ جب یہ نہ ہوا تو ان کا اور یہودیوں کا مشترکہ اور پختہ عقیدہ ہے کہ اب دو ہزار سال کے اختتام اور تیسرے ہزار سے کے آغاز پر تو ضرور ہی یہ واقعہ ہوگا۔ یہ عقیدہ "عہد ہزار سالہ" (Millenarian)

اجلاس کیل تک

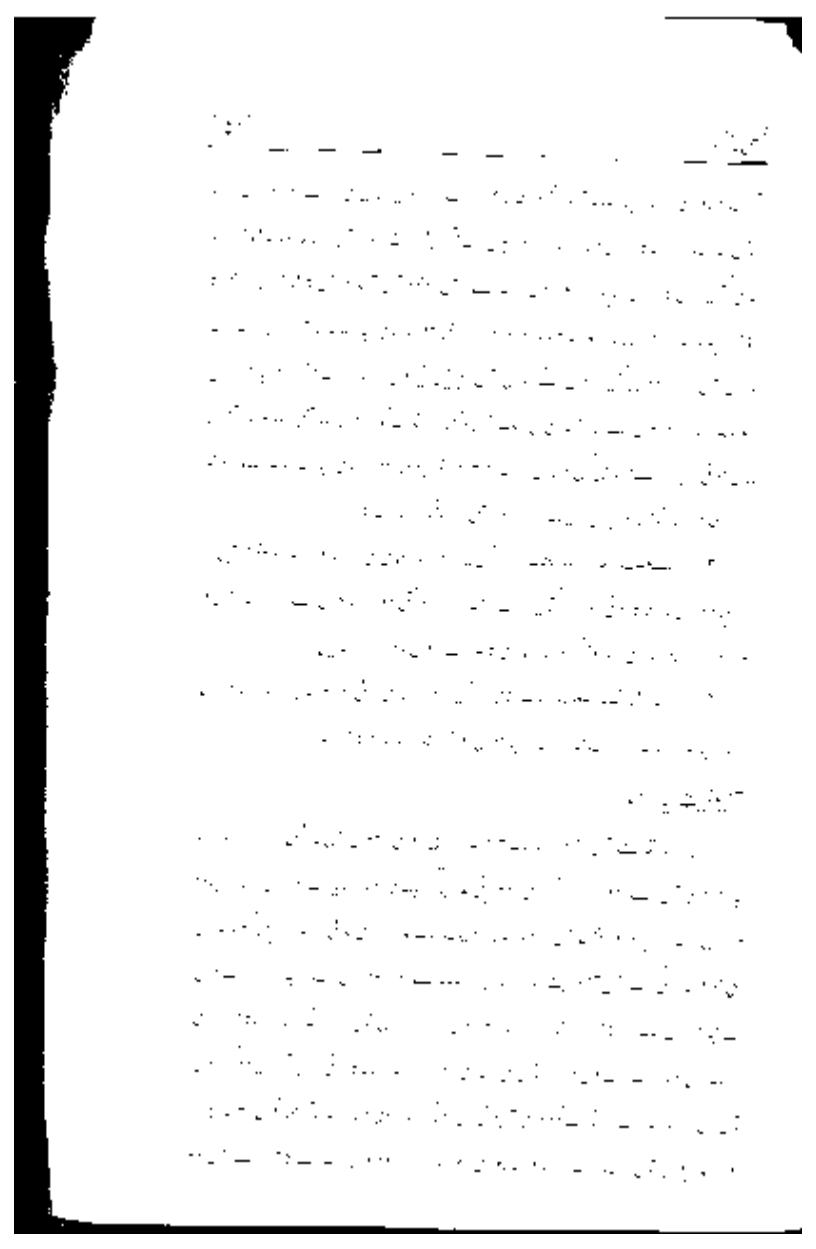

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کی حدود دریائے نیل سے دریائے دجلہ تک تھیں۔ یہودی ان ملک سیمانی کے حصول میں سرگرداں ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد ان کی تخت فرمانی کے باوجود ان کی وراثت کے دعویدار ہیں۔ ان کے مطابق تورات میں ان سے وعدہ کیا گیا تھا "ارض کنعان یا اسرائیل من دجلۃ الی النیل" اے اسرائیل! تمہاری سلطنت کی حدود دجلہ سے نیل تک ہوں گی۔ یہ تورات کی بیان جو بعض یہودی اس پر اس جملے کا اضافہ بھی کرتے ہیں "ومن الارز الی الآس" یعنی اس کی چوڑائی ارز ناتی درخت کی پیداوار کے علاقے سے لے کر کھجوروں کی سرزمین تک ہوگی۔ ارز صنوبر کے درخت کو کہتے ہیں جو لبنان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ یہ درخت ہمالیہ کا قومی نشان ہے اور لبنان کے جھنڈے پر اس کی تصویر موجود ہے اور نخیل یعنی کھجوروں کی سرزمین سے مراد حجاز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شہر مدینہ منورہ کی طرف اشارہ ہے۔ تو یہودی اگرچہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں ان کی تعلیمات کا انکار اور ان کی بے ادبی کرتے رہے لیکن اب ان کو وراثت سلیمانی حاصل کرنے کا سودا سایہ چنانچہ آپ ان کے جھنڈے کو دیکھیں تو اس میں دو نیلی لکیریں نظر آئیں گی۔ یہ جمہ اور نیل کا نشان ہے۔ ان کے بیچ میں دو مثلثوں پر مشتمل چھ کونوں والا یہودی ستارہ ہے جو ان حدود میں صیہونیت کی علمداری کو ظاہر کرتا ہے۔ پہلی مثلث کا مطلب دین، محبوبی اور محبت الٰہیہ دوسری کا مطلب خدا اسرائیل اور دنیا ہے۔ اس کی معنویت پر بھی غور کریں۔ اسرائیل نے جب مصر میں فارغہ کو حملہ کرنا چاہا تو مصری حکام اسے دریائے نیل کے اگلے کنارے کے پاس جگہ دینا چاہتے تھے جبکہ اسرائیل نمائندہ دریائے نیل کے پرلی طرف جگہ حاصل کرنے پر مصر تھا۔ اس کی وجہ وہ قتل ایپ سے یہ کہتا رہا آیا تھا کہ فارغہ تو دوسرے ملک کی حدود میں ہوتا ہے جبکہ نیل کے اگلے کنارے تک ہمارا اپنا ملک ہے۔ اندازہ لگائیے کہ رب العالمین اور انبیائے کرام کی یہ نافرمان قوم کیسے خبط میں مبتلا ہے اور بھاری نااہلی اور اتباع شریعت سے گریزی کے سبب کیسے کیسے منصوبے سوچ کر قبضہ ہے؟؟؟

فلسطین کا قضیہ (۱)

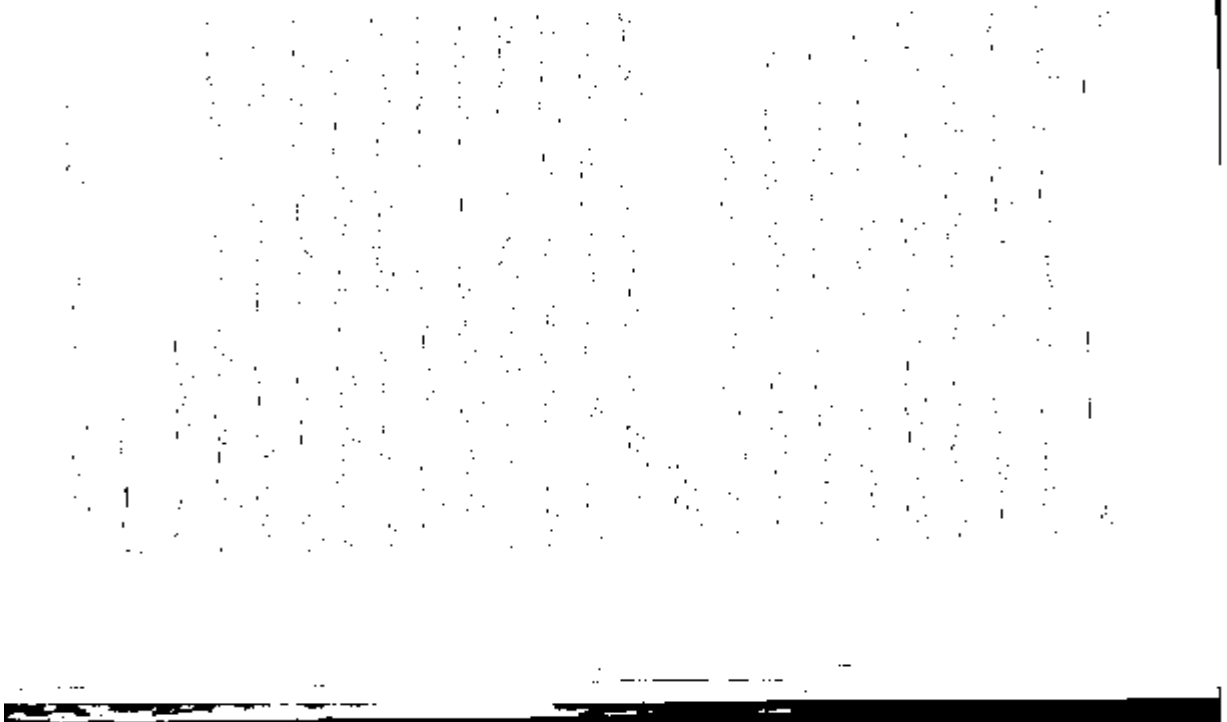

تھے۔ برطانیہ کو مختلف محاذوں پر جنگ کا سامنا ہونے کی وجہ سے سرمائے کی شدید ضرورت تھی۔ یہودیوں نے برطانیہ کی مدد کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے اور اس کے عوض انگریزوں سے وعدہ لیا کہ جنگ میں کامیابی کے بعد فلسطین کی حدود میں یہودی ریاست کے قیام میں مدد کی جائے گی۔ لندن صیہونی تنظیموں کا مرکز تھا اور وہاں کے متمول یہودی تاج برطانیہ کے نزدیک اور بہت بااثر سمجھے جاتے تھے۔ جنگ کے اختتام پر جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو یہودیوں کی دیرینہ مراد بر آئی۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور (Balfour) نے برطانیہ میں مقیم یہودیوں کی فیڈریشن کے چیئرمین لارڈ شیلڈ کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں صیہونی ریاست کی تشکیل کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا تھا: "ہز میجسٹی حکومت فلسطین میں یہودی عوام کے لیے ایک قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول کو آسان بنانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کرے گی۔" بعد ازاں یہی مکتوب "اعلان بالفور" (Bailor Declaration) کے نام سے موسوم ہوا۔ اس میں فلسطین کے غیر یہودی شہریوں (مسلمانوں) کے حقوق کی بھی ضمانت دی گئی تھی مگر یہ دراصل مسلمانوں کے ساتھ دھوکا دینے کے لیے تھا۔ قصہ مختصر جنگ عظیم میں اتحادیوں کی کامیابی کے بعد انگریز ۱۹۱۷ء میں جنرل ایلن بی کی قیادت میں فلسطین میں داخل ہو گئے اور ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو انہوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ ترکی اور جرمن فوجیں شام کی طرف ہٹ گئیں اور اس دن سے فلسطین کی حکومت انگریزوں کے پاس آ گئی۔

مبہم وعدے:

جنگ کے دوران انگریزوں نے جنگ جیتنے کے لیے عربوں اور یہودیوں سے متضاد وعدے کیے تھے۔ عربوں سے کیے گئے وعدوں میں جان بوجھ کر ایسا ابہام رکھا گیا تھا جس کی بعد میں مختلف تاویلیں کی جا سکتی ہوں۔ چنانچہ عربوں سے کیے گئے وعدے کبھی وفا نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس یہودیوں سے برطانیہ نے اپنی وفاداری دکھائی جو اس کی مسلم دشمنی اور یہود نوازی کی فطرت کی غماز ہے۔ آج بہت سے مسلمان بھی سفید چمڑی اور مکار کرنسی رکھنے والی انگریز

حل پیشکش پروسیجر

(۲) [illegible]

ہوگی یا کوئی اور۔ حدیث شریف کی قطعی نوعیت کے مطابق اس کا مصداق فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کا وجود اور ان کا یہاں سے اپنے اصل وطن کی آخری حد فیصلہ کن معرکے کا پہنچنا لیا ہے جو اس کتاب میں اہل یہود اور خود یہودیوں کی اپنی تاریخ اور عزائم و ہدایات توراۃ کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان کیا ہیں کو اپنا رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو یہود کے پیچھے چلنے والی پیاپیوں نے اس کی ترجمانی کیا ہے اور اہل بیت نے اس کے آخری نتائج کے لحاظ سے آخری حد تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سابق فرمان صادق آئین کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "غزوۂ ہند" کی روایت یہودیوں کی کشتی نہ کرنے کا پورا پورا ہے اور ایک ہی حکومت اور ایک ہی ملک میں دو حکومتیں ہونے کا "غزوۂ ہند" کی اتحاد و ہدایت بھی ہو جاتا ہے لیکن اس بات کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا کہ دجال کی ہزاروں سال کی تاریخی و مذہبی منصوبہ بندی کے بعد آخری حد تک پہنچنے کے بعد اب تک انہیں پہچان لیں گے؟؟؟

آخری انجام کی تصویر:

مسلمانوں کے یہودیوں کے ساتھ پہلے تصادم اور یہود کے خلاف ہونے کی بجائے شریعت کے کامل اتباع اور یہودی کامل اطاعت کا راستہ اختیار کیا جائے تو فلسطین کی طرف یہودیوں کی آخری حد تک پہنچنے کے بعد ان کی آخری اپیل ہی ہے کہ ان کی نظریاتی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے اور ان کا حملہ ناکام ہو جائے گا اور ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے خلاف اسلام کام کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور حضرت مہدی کی قیادت میں مسلمانوں کا شریعت کی مکمل پیروی کے لیے دشمن کی طرف بڑھنے کا جذبہ ہی ختم ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور حدیث شریف کے مطابق تمام کفار کا قتل ہونے سے یہودیوں کے نمائندہ کا یہ عزم تو یہود کے ہاں سے بھی ثابت ہے کہ ہم مسیح کو قتل کر دیں گے (ترجمہ بائبل یوحنا ۱۹ باب ۱۵ آیت) حدیث شریف کے مطابق دجال کی ۳۵ سال کی (بحوالہ ابن ماجہ) تمام تر منصوبہ بندی کے بعد آخری حد تک پہنچنے کے بعد اس کی ناکامی کے بعد اس کے اور حکومت

القدس سے ہوائل تک

کے لیے ہوزیلی تنظیمیں بنائی گئیں، انہیں دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے سخت تدابیر کیے گئے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی عثمانی وزیرِ عزت پاشا کو وصول ہونے والے خط کی۔ اس خط میں تھیوڈور ہرزل نے ترک حکمرانوں سے درخواست کی تھی کہ یہودیوں کو عراق میں آبادیاں قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ عزت پاشا حیران ہوئے کہ یہ بیٹھے بٹھائے یہودیوں کو کیا سوجھی؟ انہیں عراق میں ہر طرح کے حقوق حاصل ہیں پھر الگ سے آبادیاں قائم کرنے کی کیا ضرورت؟ خود بغداد میں یہودیوں نے بہت سی زمینیں خرید رکھی تھیں، خصوصاً بغداد کے مشرق میں مضافاتی بستی "کرادہ" میں تو بیشتر زمینیں انہی کی تھیں۔ عثمانی وزیر نے یہ درخواست واپس کر دی۔ (البتہ آج جب یہود نواز جنرل گارنر بغداد پہنچ چکا ہے، بغداد کی بستیوں کو یہودی نوآبادیاں بننے سے کوئی روک سکنے والا نہیں۔ صیہونی تحریک: قدس سے ہو کر بابل تک پہنچ چکی ہے۔ جلد تک قبضے کے بعد "عظیم تر اسرائیل" کی مشرقی سرحدوں کی تکمیل ہو چکی ہے اور اب یہ کہنا مشکل نہیں کہ: سفینہ کا کنجا اڑ دھا کس طرف رخ کرے گا؟ صیہونی تحریک اپنی چال کامیابی سے چلتی جا رہی ہے اور مسلمان ہم سادہ ہے اس دن کے منتظر ہیں جب یہ توبہ کرنا چاہیں گے مگر اس کے الفاظ ان کے منہ سے ادا نہ ہو سکیں گے۔ یہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے مارے مارے پھریں گے مگر ان کو کوئی راستہ سجھائی نہیں دے گا۔ اے اہل اسلام! کب تک اپنے دشمنوں کو پہنچنے کا موقع دو گے؟ کب تک ذلیل و خوار یہودی تم سے ملاقات کے بعد علاقے پھینتے چلے جائیں گے؟ بابل تک یہودی جا پہنچے ہیں کیا تمہارے جیتے جی یثرب (مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم) تک رسائی حاصل کر لیں گے؟؟

۱۔ تین سال قبل عراق پر جنرل گارنر کی حکومت قائم کی جا چکی ہے۔

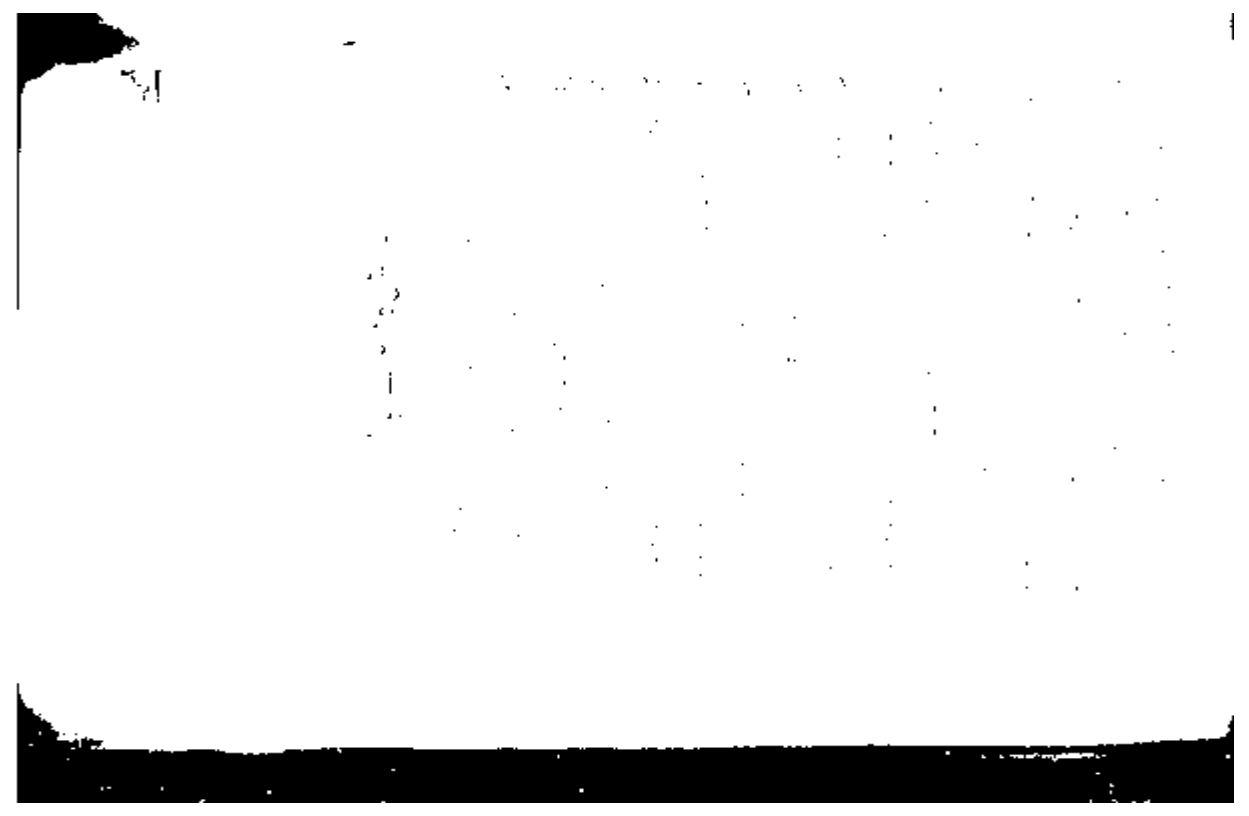

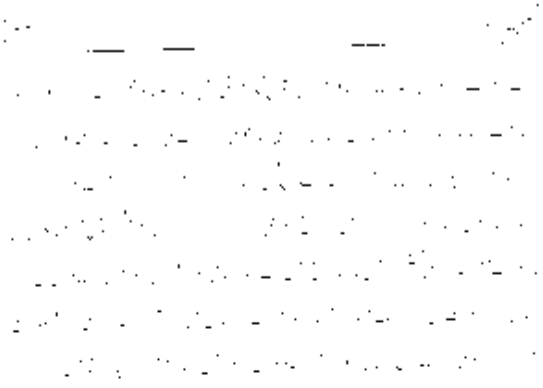

مسئلہ زبانی اور تحریکِ مجالس

پنجاب میں ایسی پہلی تحریک سے پہلے پہلی اور بعد کی تحریکوں میں
اس طرح کی تحریکوں کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔
اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہے۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

دوسرا شخص کی کہانی

اگلے سال یروشلم میں...!

چوہدری رحمت

ہمارے لئے تو یہ بڑی ہی مزے کی بات ہوگی۔

ہتھنی دو اس قیمت پر

بندو پہلے ان تاجر یا نوکر شاہی سے تعلق رکھنے والے مغربی لوگوں سے آپ سے بات کرتا ہے جو اپنے اور اپنے خاندان کے لئے ہاتھی خریدنے آتے ہیں۔ ایک مغربی تاجر کا ذکر کرتے ہوئے جس کا پہلی مرتبہ اس سے سامنا ہوا تھا بندو نے مجھ سے پوچھا "آپ نے مغربی صاحب کی بیوی کو ہتھنی کیوں نہیں دی؟ اس کے پاس تو بہت سے ہاتھی ہیں۔"

"آپ کا کیا مطلب ہے؟ وہ ہتھنی کس طرح سے ہو سکتی ہے؟"

"کیوں؟ آپ نہیں جانتے کہ وہ ہتھنی ہے؟"

"یہ بات ہے۔ آپ نے اپنا خیال کیسے قائم کیا؟ کیا وہ کہیں اس بات پر اصرار کرتے ہیں؟"

"مجھے نہیں پتہ۔ میں نے صرف اس کے پاؤں دیکھے اور یہ فوراً میری سمجھ میں آ گیا۔ میں نے اس کے بارے میں اور کچھ نہیں سوچا۔"

"آپ یقین رکھئے کہ آپ کی بات ان کے لئے بہت اہم ہے۔"

"میں یہاں ایک اور مغربی ہتھنی ہوں۔ میں اس جگہ سے یہ بات کہتا ہوں کہ ہتھنی سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ ہتھنیاں بہت ہی شریف ہوتی ہیں۔ ان کو خوش رکھنے کے لئے انہیں پیار اور محبت کی خوراک کے علاوہ کچھ نہیں چاہئے ہوتا۔ اس ہتھنی کی قیمت میں جتنی رقم ملے گی اس سے آپ بہت اچھی طرح رہ سکتے ہیں۔ یہ بات واقعی بہت اہم ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ کیجئے اور میرے لئے ہتھنی کا بندوبست کرنے پر غور کیجئے۔"

"اچھا میں آپ سے ہتھنی کا وعدہ کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ۔ السلام علیکم۔"

شہریت اور ملکیت

یہ بات کہنے کے بعد یہ ہتھنی کیونکر اس سے کہے گی کہ وہ اس کے لئے ہتھنی کا بندوبست کرے۔ ہتھنی کی بات تو اس کے لئے بھی ناقابل فہم ہوگی۔ اس کے لئے تو یہ بات بھی ناقابل فہم ہوگی کہ اس کے پاؤں کی خوبصورتی کی طرف کسی کو توجہ دلائی جائے۔

۱۔ مثل

اب ہم مختلف مثل آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مثل کس طرح وجود میں آتی ہے اور کس طرح اس کا استعمال ہوتا ہے۔

ماں مثل

ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اپنے بچوں کی ہر طرح سے خدمت کرتی ہے۔ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہے۔ ان کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان کی ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتی ہے۔ ان کی ہر خوشی میں خوش ہوتی ہے۔ ان کی ہر غم میں غمگین ہوتی ہے۔ ان کی ہر کامیابی پر فخر کرتی ہے۔ ان کی ہر ناکامی پر افسوس کرتی ہے۔ ان کی ہر بیماری پر پریشان ہوتی ہے۔ ان کی ہر صحت پر خوش ہوتی ہے۔ ان کی ہر زندگی پر دعا کرتی ہے۔ ان کی ہر موت پر ماتم کرتی ہے۔ ان کی ہر یاد میں آنسو بہاتی ہے۔ ان کی ہر بات پر یقین کرتی ہے۔ ان کی ہر غلطی کو معاف کرتی ہے۔ ان کی ہر کمزوری کو طاقت بناتی ہے۔ ان کی ہر ناکامی کو کامیابی میں بدلتی ہے۔ ان کی ہر مشکل کو آسان بناتی ہے۔ ان کی ہر پریشانی کو دور کرتی ہے۔ ان کی ہر تکلیف کو راحت میں بدلتی ہے۔ ان کی ہر بیماری کو شفا میں بدلتی ہے۔ ان کی ہر موت کو زندگی میں بدلتی ہے۔ ان کی ہر یاد کو خوشی میں بدلتی ہے۔ ان کی ہر بات کو سچ میں بدل

جاتا ہے اور امید واروں میں آخری حصہ جو خوش قسمتوں کی ہوتی ہے۔ آخری حربہ مغربی نظام تعلیم کا تھا جس نے اُمت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور بھاگ کر اس میدان میں بھی جدید بنے کھڑے ہیں اور قلم تو کیا غیر مسلم ممالک میں بھی اسلامک اسکولز کی چین قائم ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں دنیا بھر میں مزید کام تیزی سے جاری ہے اور اس دن مسلمان اہل علم یا تربیت دیا گیا خالص اور مکمل اسلامی نصاب تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے اس دن یہودی دانشوروں کو منہ چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ اس لئے وہ ذلت آمیز شکست اور بے بسی کے احساس کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کو ڈھانے، ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو اور پورے جزیرۃ العرب پر قبضہ کر لینے کے مزید امکان کے لئے ہو گا بلکہ اس آپریشن کا وقت گزرتا جا رہا ہے۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں" کی اس کیفیت اور سامنے مجاہد سن اسلام کے نہ ختم ہونے والے جذبے کی طاقت نے انہیں مرکھنی گائے کی طرح بوکھلا دیا ہے لہٰذا وہ بیت المقدس کے فلسطینی باشندے کو اپنی پوری عسکری طاقت سے قتل کر رہے ہیں، پروپیگنڈے کے ذریعہ کو اس جنگ کے لئے تیار کر رہے ہیں جس کا بار بار وعدہ ہو چکا ہے لیکن کسی بات کی دیر ہے کہ جہاں جہاں سے رد عمل کا ابھرنے کا امکان ہے وہاں سے "تعمیر" اور رضا کی حفاظتی ڈھال فراہم کر دی جائے۔

کنڈی اور چوٹی سے:

جان کی امن مفکر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جناب امریکی سے تعاون کے لیے پاکستانی فوج بھیجنے کی سرکاری حکومت کا تاریخی فتویٰ دے کر اہل حق کی طرف سے جو فرض کفایہ ادا کیا ہے اس کے بعد تو شیطان کے بیوکار یہودی دانشور آپ پر لوٹ رہے ہیں کہ حضرت کی عصمت اور ثقاہت کے تعین احترام کا شاہکار یہ فتویٰ ان شاء اللہ مکار اور دل یہودیوں کو حق میں اس حد تک گرفتار رہنے پر مجبور کرے گا جیسے ان کے آبا و اجداد "اوئی پیٹ" میں مبتلا رہے تھے۔ اے اس ایمان ایسا غضب ہے کہ خدا اس کے فرشتے اسکے نور راکھین فی العلم کی بلندی، بلندی اور جذبہ جہاد کی لازوال طاقت آپ کے ساتھ ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ یہاں دانشوروں اور ارباب

دو جڑواں مثالیں

پائے جاتے ہیں کے نزدیک اس کی مظلومیت شکل یہ ہے کہ سارے ملک چاندوں کی طرح سیدھے ہیں، طحد اور مذہب اور بے راہ رو ہو چکیں اور ان کی چاندی کر دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کوئی غیر یہودی یہودی ہو جائے۔ اگر کوئی ان کے جہان سے اور پوری نظریات والا ان سے بے وہ بات قبول کر لے تو بھی ان کے نزدیک وہ یہودی نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ یہودیوں جیسی مراعات حاصل ہو سکتی ہیں۔ بلکہ اب وہ تعداد کی کمی سے محبور ہو جائیں تو "غیر خاندانی یہودی" کو اپنا آسکار بنانے کے لیے دل بہلاوے کی خاطر کوئی اچھا سا موقع "ایکھے سے کام" پکار دیتے ہیں

اسرائیل میں یہودیوں کی آبادکاری کے وقت جب موت سے خائف یہودی تعلیمات کے باوجود ارض موعود میں رہنے کو تیار نہ ہوئے اور قیام کی کاشتکاری کی تو اسلحہ پیدا ہونے لگا تو بہت سی ٹکرانی ہوئی قوموں کو "یہودی" کا لالچ دے کر ارض فلسطین میں اکٹھا کیا گیا لیکن ان کی ثقافت کو جدا اور ممتاز رکھا گیا اور ان کی آبادیاں "اسکی نازی" یہودیوں سے جدا ہیں۔ اصل نازی یہودیوں کو جرمنی کے مالک اور اس کا حصہ شمار کرتے ہیں "اشکی نازم" (ASHKENAZIM) کہتے ہیں اور "سفرد" "یہودی" ہر ان کی وحال بننے کے لیے قربانی دینے کی خاطر رکھے گئے ہیں (SEPHARDIM) پکارے جاتے ہیں۔

نسل پرستی کو اپنے مذہب، ملت اور امت کی بنیاد بنانے کے باوجود ہر شیطانی تحریک کی طرح یہودی بھی ان دنیاوی قوموں میں کافی حد تک مشترک ہیں۔ مثلاً

یہودیوں طبقے خود اللہ کے نام لیوا عالموں نے مقبولوں اور اس کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے پھر بھی اللہ کے ساتھ اس نے نیچے بندوں کو شریک کرتے اور اللہ کے کلام کا بیان اور مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ کے کلام کی اس نے اپنے مفاد کے مطابق اپنی پسند کی تاویلیں جھوٹی تخلیق کو شریک کرتے ہیں اور یہودی کہلانے کے باوجود عملاً اسلام اور مسلمانوں اللہ کے دشمن ہیں۔ ان پر تہمت لگانے اور قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ایک اور قدر مشترک یہ کہ دونوں مسلمانوں کے مقابلے میں ایک طرح کی کمزوری اور احساس کمتری کا شکار ہیں۔ خود کے دل میں یہ احساس

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۳) عن ثهملک بن الشریم السکونی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لتقاتلن المشرکین، حتی یقاتل بقیتکم الدجال علی نهر الأردن، أنتم شرقیه وهم غربیه."

قال الحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد: رواه الطبرانی والبزار، ورجال البزار ثقات (۷/۶۱۹) وکذا فی الاصابة فی تمییز الصحابة (۳/۶۷۹)

"تم مشرکین سے جنگ کرو گے حتی کہ تمہارے باقی ماندہ لوگ نہر اردن پر دجال سے جنگ کریں گے تم (یعنی اردن کی) مشرقی جہت میں ہو گے اور وہ غربی جہت میں ہوں گے۔"

قال راوی الحدیث ابن ثهملک السکونی: "وما أظنه إلا الأردن یومئذ هی الأرض"

راوی حدیث ابن ثہملک السکونی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں لگتا کہ اردن اس دن اس زمین سے کم نہ ہو گا اور اردن آج اردن اور اسرائیل کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے مشرقی جانب سمندر اور مغربی جانب یہودی بستے ہیں۔ "غرب اردن" یعنی اردن کے مغربی علاقہ کی اصطلاح آج کل زمین کے اس ٹکڑے کی ہے جہاں اسرائیل نے حال ہی میں یہودی بستیوں کے ذریعہ اپنے قبضہ کا دائرہ بڑھایا ہے۔

ان تینوں احادیث میں آپ غور کریں (۱) یہ فتن و دجل کے باب میں سند متین اور اعتبار سے قابل استدلال ہیں تو معلوم ہوگا کہ آخر زمانہ میں عرب افغانستان (و نواحات) اور فلسطین کے مسلمانوں سے جہاد اور نصرت اسلام کے جو کام لے گا اور ان کے دشمنوں کو بھی، اور اور شرق اوسطی میں یہودیوں کے ہاتھوں جو تاک انجام سے دوچار کرے گا۔ احادیث شریفہ میں دنیا کی ان بامشہور اور فیصلہ کن جنگوں کے حالات، واقعات اور معرکہ اور شریک مجاہدین کی فضیلت (دنیا میں فتح اور آخرت میں مغفرت و جنت کی بشارت) کس کھلی ہوئی صراحت سے آئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو تو ہم اس کی سب پیاری سنت اور امت محمدیہ کے مجاہدین سے اس کی محبت سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان مجاہدین سے محبت،

پہلے حروف کیا کہتے ہیں؟

[illegible]

[illegible] Novus Ordo [illegible]

مختلف یہ ہیں کہ امریکا نے دنیا کے سب سے چھوٹے ملکوں میں سے ایک ملک کو جس کی آبادی نئی دہلی کی آبادی سے کم ہے امداد میں اتنی بڑی رقم دی ہے جو فرانس اور اٹلی امریکا کے علاوہ دنیا کے تیسرے نمبر کے مالک ہونے والی مجموعی امداد کی رقم سے زیادہ ہے۔ ان ملکوں کو ملنے والی مجموعی رقم ۱۹۸۰ء کی اس سے پہلے اسرائیل کو ملنے والی رقم ۱۰۰ بلین ڈالر کی ہے۔

جب یہودیوں کی اس طاقت سے تقویت پانے والے یہودیوں کا ایک گروہ چھوٹے اخبارات میں مسجد اقصیٰ کے نمونے بنا کر ان پر ٹینکوں کی سنگین اور اس بات کے کھلی تجویز دیتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کے بعد (معاذ اللہ) مسجد کس طرف کرنی ہے اور ہر کے لئے کتنی دور تک جانا ہے تو یہ کوئی ہوائی یا وقتی بات نہیں ہوتی بلکہ یہودی ایک وقت سے اندر ون اسرائیل (مقبوضہ سرزمین) اور بیرون اسرائیل (مقبوضہ سرزمین) دونوں محاذوں پر کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور ایک دن اس کا براہ راست ٹکراؤ ہم جیسی پالیسیوں سے ہوتا ہے یا تو یہ یہودی اسرائیلی حکومت ان کے راستے کی آخری رکاوٹ ہے۔ اگر یہود اسرائیل اور عظیم تر اسرائیل ایک دوسرے سے قدرتی حلیف ہیں اور فلسطین نے جاپان کے ساتھ مل کر رہنے کا جو معاہدہ کیا ہے وہ بھی ایک دوسرے کا حلیف بنا ہوا ہے۔ جاپانی سمجھتے ہیں کہ ہم مندر اور بیت المقدس کی تعمیر کا مکمل سامان فراہم کریں گے جس میں سے ایک کی تکمیل دوسرے کی راہ ہموار کرے گی اور ہم کو خدائی خوشی اس کے کیے میں ملے گی۔ ہمارے کاموں کا خلاصہ ہوتا ہے یعنی پالیسی ایک ہی ہے۔ لہٰذا ہمیں ایمان یا اخلاق میں سے ایک کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ ایمان کی علامت جان و مال سے جہاد کی مکمل امداد، اخلاق کی نشانی ہر دلی اور آپسی ہے۔ کیونکہ یہود نے کہ یہود خود تو ہوائوں کو تربیت دے کر قربانی کے شکار اور افراد ہوں کا روپ تیار (Block of the Faithful) کرتے ہیں اور ساری دنیا کے یہودیوں سے ان یہودی مدوں اور مضمرات سے چندہ کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے دینی مدارس اور جہادی تنظیموں کے خلاف زہر اگلتے وقت ان کی زبانیں تک گدو یا لوگوں نے کوسے جاتے ہیں۔ دینی اور جہادی تحریکوں کے بیانات دینے کی دیر ہے، یہود کے ہوا خواہ دنیا کے تمام عالم اسلام خصوصاً پاکستان اور سعودی عرب پر چڑھ دوڑتے ہیں۔

داستان ملت فروشوں کی

نام مبارک آدمی:

اک عظمون میں بنیادی طور پر ایک ایسے شخص کی روداد جفا کو ظاہر کرنا ہے جس نے ہندوستان سے لے کر حجاز تک کے مسلمانوں سے وہ افسوسناک غداری کی جس کا شکار آج تک برصغیر، ترکی، حجاز، اردن اور فلسطین کے لاکھوں مسلمان ہو رہے ہیں۔ یہ شخص مسلمانوں کے حق میں جتنا مبارک بلکہ نامبارک قریب میں آ سکتا ہے اس کا ایک ہولناک حقیقت ہے کہ ملت اسلام جہاں جواہر جانبازوں اور بیکنار خلوص جانثاروں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے وہیں اس میں بعض ایسے بدبختوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور بعض نے تو اپنے مذہب اور ملت سے غداری میں ایسا مذموم اور قابل نفرت ملامت کردار ادا کیا کہ اس کی مثال سے تاریخ کا دامن پھٹ گیا اور دشمنان اسلام کو زمانہ طویل تک بے انتہا شر و فساد پھیلانے کا موقع ملا جو ان اول کی نحوستوں کے زمانہ اتصال میں بمنزلہ چاربہ کے طور پر نکلتا ہوا تا رہا ہے۔ ان سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ضمیر فروشی اور مفاد شخصی اس شخص کے خاندان میں اب تک چلی آرہی ہے اور اس کی اولاد آج تک مسلمانوں سے غداری اور یہود و نصاریٰ سے وفاشعاری کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اس خاندان سے گزشتہ سو سال کے دوران عرب و عجم کے مسلمانوں کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور پہنچایا جا رہا ہے یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

مردانِ حریت:

اس داستان کی ابتدا جنگ عظیم اول سے ہوتی ہے جب حجاز، مصر، ہندوستان، جزیرۃ العرب

داستان فلسطین فروشوں کی

[illegible]

تھا کر جہاز نے پٹان لنگر ڈالنے کے بعد ڈیلٹک نے شاہ کے مرید ہونے اور ریاضات شیخ عبداللہ السلیمان کو بتایا کہ ہر نئی جہاز پر مخصوص قواعد کے تحت "نظر شدہ" غذا دی جاتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا قید ہے۔ شاہ نے اس کی رعایت کی اور صرف کے تمباکو جہاز پر چڑھائی گئیں۔

شاہ عبدالعزیز نے تینتیس تن بیرقی نے ساحل چھوڑ دیا اور نہر سوئز کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۱۲ فروری ۱۹۷۵ء کو شام ساڑھے چار بجے کا وقت تھا۔ سرخ سمندر کے کنارے افق کی طرف جھک چلا تھا۔ جہاز کے سائز جنگی آلات کے مشاہدے اور سیر و تفریح سے لطف لے رہے تھے۔ مگر کے ذہن میں اس سفر کا اختتام یکھا ایسے معاہدوں پر ہوگا جو اسلام کو اپنے حریفوں سے کئی سو سال پیچھے دھکیل دیں گے۔ بادشاہ کے ہمراہ ان کے بھائی شہزادہ عبداللہ، وہ بیٹے شہزادہ محمد بن عبدالعزیز اور شہزادہ منصور بن عبدالعزیز کے علاوہ ان کا سیاسی خصوصی مشیر اور فلکی ماہر و جید بن حنبلہ بھی تھا جو نماز کے وقت قبلہ کی سمت نکال کر دیتا تھا۔ یہ ایک عجیب تم طریفی رہی ہے کہ سعودی حکمران نماز، حدود اور حرمین کی خدمت کا اہتمام تو خوب کرتے ہیں لیکن اس بات سے غافل رہتے ہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم ان کے احترام سے زیادہ ان کے فہم میں مضمر ہے اور یہ تحفظ بہبودی عین اللہ کی بہتر سے بہتر تیاری کے بغیر ناممکن ہے۔ اب اس بات کو دیکھیے کہ جہاز کے عرشے پر فلکی ماہر کی رہنمائی سے نماز ادا ہو رہی تھی جبکہ جہاز کے اندر میٹنگ روم میں مسلمانوں کی شبہ رگ کنگار کے دہکتے تلے رینے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ بحر احمر کی لہروں پر جہاز کا یہ سفر دو رات اور ایک دن جاری رہا۔ جس وقت جدہ سے یہ جہاز روانہ ہو رہا تھا اس وقت بالٹا کی بندرگاہ سے ایک اور جہاز روانہ ہو رہا تھا۔ خصوصی طور پر تیار کیے گئے "کوئی" نامی جہاز میں امریکی صدر روز ویلٹ سوار تھا۔ بیرقی میں مسلمانوں کے بادشاہ کی طرف سے امریکی افسروں کی نیاز مندیاں ہو رہی تھیں، جہاز کے ہوا اور عرشے کی پر تکلف غذا میں نہ لس عربی انداز میں قالین بچھا کر دسترخوان بچھے تھے اور گپ شپ کی محفلیں سج رہی تھیں۔ خدام خاص عربی ڈشیں تیار کر رہے تھے جو نصرت بخش دامن بیٹھ کر بے فکری کے ساتھ تناول فرما رہی تھیں۔ دوسری طرف امریکی صدر کے جہاز کی دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے، جہاں پر

کہیلا کی کہانی

اپنے پروفیسر کی طرف

[illegible]

کی پیدائش ہوئی۔ اپنے نام کرنے کے باوجود وہ اس اعزاز سے محروم رہے۔ وہ ایران کے مسلم اور پاپائے کے تسلط کے بعد یورپ کے تاجر اکثر تجارتوں نے ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے کے لیے دو ٹیمیں بھیجیں۔ ایک واسکوڈی گاما کی سربراہی میں تھی۔ یہ مہم جب جنوبی افریقہ کے مغربی ساحل کو روندتے ہوئے پرتگال پہنچی تو اسے ہندوستان کا راستہ دریافت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد پرتگال کا بحری راستہ مستقل طور پر کھل گیا۔ اس کے بعد پرتگال کا تمام تر کیپ آف گڈ ہوپ (مغربی ساحل کا راس الرجاء الصالح) اور وہاں سے "ٹیبل ماؤنٹین" کا راستہ "کیپ ٹاؤن" کا راستہ اختیار کیا گیا۔ جنوبی افریقہ کا یہ کنارہ مغربی ساحل کے جنوب میں نکلی کی آخری حد ہے اس کے بعد مشرقی جنوبی سمت پانی ہی پانی ہے۔ یہاں تک ہندوستان کے تجارتی جہاز آسانی سے آ جا سکتے ہیں اس میں سے تین سو سال تک پرتگال کا بحری بیڑا ہندوستان کے مغربی ساحل پر گشت کرتا رہتا ہے۔ اس سے قبل پرتگالی جہاز راں افریقہ کے مغربی کنارے پر واقع مالک نیز بحر ہند کی تجارتی بندرگاہوں پر قبضہ کرتے آئے تھے لیکن اس سے آگے نہ بڑھ سکے تھے۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ وہ اس کنارے تک آ پہنچے تھے۔ مشہور ہے کہ یہاں پہنچ کر جب انہوں نے سمندر بہت زیادہ خراب دیکھا تو واسکوڈی گاما سے واپس چلنے پر اصرار کیا اور ناخدا کے قتل کی دھمکی دی۔ واسکوڈی گاما جانتا تھا۔ اس نے بحری رسموں کے نقشے ان کے سامنے پھاڑ دیے اور کہا کہ اب واپسی کا راستہ نہیں میرے دشمن میں ہے تم نے مجھے قتل کیا تو میرے بھیجے ہوئے لوگ تمہیں نہ چھوڑیں گے حالانکہ یہ راستے اس نے ساتھ جانے والے عرب مسلمان بھی جانتے تھے۔ الغرض اس نے اس طرح سے دھمکا کر جنوبی کنارے کو پار کیا اور مزید مشرق چینل سے گزرتے ہوئے موزمبیق جا پہنچا۔ وہاں سے راشن، خوراک اور مویشیوں کی مرمت کا بندوبست کرنے کے بعد وہ ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ جا اترا۔ یہ ہندوستان کی سرزمین پر غیر ملکی استعمار کا پہلا قدم تھا۔ اس کے بعد دندیری، پھر فرانسیسی اور آخر میں انگریز۔ بھلے آگے کی حال آشکار داستان سب کو معلوم ہے۔

امریکو سے امریکہ تک۔

کولمبس کی بحری مہم کا احوال تو آپ سن چکے ہیں چونکہ وہ بھی ہندوستان کی دریافت کی مہم پر روانہ ہوا تھا اس لیے جزائر بہاماس اور سان سلوادور کے پاس پہنچ جانے پر وہ اسے مغربی

شخصیت کو اپنی مخالف تسلیم کرتے ہیں جیسے کہ عصر حاضر کے صدر اور ملائیت کی پیروی یہودی ربانی سلطنت کو یہودی دیوتائی تخیلوں کے مشہور زمانہ اتحاد کے ذریعے مقتدر اعلیٰ تسلیم کرلیا گیا تھا (یہودی دیوتا رکھنے والے مسلم اور غیر مسلم خواتین مثلاً بیرونیت، نظام دکن، عمران خان، فیروز خان نون اور کارٹر سے ایک مکمل مقابلے کا خواہش ہیں۔ اور ہے تحقیق کار اس پر ابھی سے کام کریں گے تاکہ دنیا کے سامنے حقائق کھل کر آسکیں)

مادی طور میں گریہ وزاری:

قرآن شریف کے مطابق ان کی پست ذہنی اور خود غرضی ایک سبب تھی جس کی وجہ سے یہودی ..... اخلاقی مقاصد حاصل کرنے کے لیے شارٹ کٹ راستوں میں سب سے آگے ہے اور یہودی تخیلوں اور رائے کی کبھی بھی مستقل نہیں رہی اس میدان میں اگر کوئی پیچھے ہے تو مسلمان کے دینی اداروں اور تنظیموں کو سب سے بڑا اور صحیح مسلمانیت کے خیال سے ہوتا ہے۔

یہودیوں کے خود غرضی کے بارے میں مشرب بخش ہونے کی ایک مثال یہ بھی تھی کہ وہ دوسال تک کا موسم تھے، جو ان کو آج بھی پیارا تھا ان کے جوشیلے اور وحشیانہ انداز سے حملہ پر مسلط کردہ اقوام کے بہتوں صدیوں تک مارکھانے کے بعد بھی اپنے مقرر کردہ راستے پر چلنے شروع ہو گئے ہیں۔ ..... ملائیت کا طوفان روکنے کے بعد بھی ذہنی لحاظ سے ایک بوجھل وجود ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنا مقصد ایسا معین اور ان ایسا سمجھ رکھا ہے کہ ہر اقدام کے بعد برا آمد اور نقد فوائد حاصل کرتے ہیں۔ ہے کوئی قوم ایسی جسے ان کہیں ہوا ہو؟ کیا ہم یہود کو ایک غیر ضرورت سے بڑھ کر نہیں سمجھ رہے؟[1]

ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اللہ کو اپنے ان کے نبیوں کے گناہ بخش چکے تھے اور پھر بھی خود کو اللہ کی پیارا اور محبوب سمجھتے تھے۔ قرآن شریف میں ان پر الزام لگایا "ہم جہاد" سے نکلنے

---

(۱) ایک خان صاحب نے اپنی یہودی بیوی کے اخلاق سے تنگ آکر یہودیوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی۔ مگر کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔

روم سے تل ابیب تک

[illegible] چاپ [illegible] رہے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں [illegible] اقوامِ متحدہ [illegible] ہو گیا تھا اور اس کی [illegible] سے اقوامِ متحدہ نے اپنے [illegible] میں استعماری طاقتوں نے فلسطین کو [illegible] کے لیے جو [illegible] کی صورت میں وجود میں آئی۔ اس قرارداد کے [illegible] فلسطینیوں [illegible] پر قرارداد پاس کی (اسے قرارداد ۱۸۱ کہا جاتا ہے) کہ فلسطین کو [illegible] عربوں اور یہودیوں کی الگ الگ ریاستیں بنا دی جائیں۔ بظاہر یہ قرارداد بڑی منصفانہ معلوم ہوتی ہے مگر اس کے پیچھے [illegible] کے عزائم کارفرما تھے۔

دوسروں کی جیب سے خیرات:

اقوامِ متحدہ نے فیصلہ کیا تھا کہ فلسطین کے قریب ۵۶ فیصد علاقے پر یہودیوں کو اور ۴۲ فیصد عربوں کو (کہ جس میں سے مسلمانوں کا قبضہ فلسطینیوں کے عربوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) دیا جائے گا۔ ۱۲ فیصد علاقہ (جس میں اقصیٰ شریف تھا) کو بین الاقوامی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ اس تقسیم کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں ریاست قائم کرنے کا حق دینے کی یہ شرط تھی کہ وہ فلسطینیوں کے فرضی مطالبات پورے کرنے کے لیے یہ پیسہ [illegible] ادا کریں گے۔ اس طرح یہودیوں نے اپنی جیب سے نکالنے کے بجائے اپنی جائیداد [illegible] ادا کرنے کا بھی یہ انتظام کر لیا تھا۔ ان کے پاس زمین بہت تھی اور [illegible] جدید مشینری تھی تو وہ [illegible] میں آسکتی تھی۔ [illegible] کی [illegible] تھا۔ [illegible] کران سب باتوں سے قطع نظر کر کے یوں صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ قرارداد جائے تو حق [illegible] فلسطین کی کل سرزمین ۲۷ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ یہودیوں کے پاس اس وقت فلسطین کا ۶۰۰ مربع کلومیٹر علاقہ تھا۔ اب ۸۰۰ کلومیٹر میں رہنے والی اقلیت کو ۵۶ فیصد دے دیا گیا۔ القدس پر مشتمل ۱۲ فیصد میں بھی یہودی آبادی کو تحفظ دیا جائے اس کے لیے مختص رکھا گیا اور ۲۳ ہزار ۸۰۰ کلومیٹر پر آباد فلسطینی اکثریت (تقریباً ۹۰ فیصد سے زائد) کے لیے صرف ۴۲ فیصد علاقہ باقی چھوڑا گیا۔

مذاکرات کا جمود

[illegible] ۱۹۹۳ء میں [illegible] ۱۹۹۸ء میں [illegible] ۱۹۹۸ء میں [illegible] ۱۹۹۸

۱۷ ق ۲۲

اندھے کی ریوڑیاں

کنٹرول حاصل کر چکے تھے اور تیزی سے نئی کالونیاں تعمیر کر کے دنیا بھر سے پٹے ہوئے یہودیوں کو لا لا کر یہاں آباد کر رہے تھے۔

(۳) تیسرا حصہ یہودیوں اور فلسطین کی ''خود مختار'' اتھارٹی کے مشترکہ کنٹرول میں رہنے دیا گیا۔ قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ اس مشترکہ کنٹرول میں فلسطینی اتھارٹی کا اختیار کتنے فیصد ہوگا؟ یوں یہ علاقہ بھی عملاً اسرائیل کے پاس ہے۔ اس طرح سے اولاً تو بی اور سی زون زیادہ وسیع رکھے گئے پھر اے زون میں بھی فلسطینی اتھارٹی کو برائے نام اقتدار دیا گیا اور یوں مسلمانوں کے ان اکثریتی علاقوں پر بھی صہیونی عناصر اپنی شیطانی تدبیروں کے ذریعے قابض ہو گئے۔

ان علاقوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد یہودیوں نے پہلا کام یہ کیا کہ فلسطینی مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ فلسطینی مسلمان رات کو چین سے سوئے، صبح اٹھے تو انہیں بتایا کہ چند گلیاں پار کرنے کے بعد ان کا زیر انتظام علاقہ ختم ہو جائے گا اور آگے آنے جانے کے لیے یہودی انتظامیہ سے اجازت حاصل کرنی پڑے گی۔ صورتِ حال یہ ہوگئی کہ ایک ہی بستی میں تین تین خطے قائم ہیں اور ایک سے دوسرے میں جانے کے لیے اجازت لینا پڑتی ہے چنانچہ اس علاقے میں صدیوں سے آباد مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان میں سے اگر کوئی چند فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے اپنے کسی عزیز سے ملنے اپنے ہی ملک کے ایک حصے میں جانا چاہتا ہے تو اسے کئی چیک پوسٹوں پر گذرنا پڑتا ہے اور وہاں اپنی شناخت کروانی پڑتی ہے۔ فلسطینی مسلمان گزشتہ نصف صدی اس بے بسی، بے چارگی اور جبر و ستم کے عالم میں گذار رہے ہیں۔ آپ اخبارات میں اکثر پڑھتے رہتے ہوں گے کہ اسرائیلی ٹینک فلسطینی مسلمانوں کے علاقے میں گھس گئے۔ اس سے مراد اے زون نامی وہ بچا کھچا علاقہ ہے جہاں فلسطینی محصور ہو کر اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام گن کر گذار رہے ہیں۔ اسرائیلی افواج اپنے زیر کنٹرول علاقہ بی زون سے نکل کر دندناتے ہوئے اے زون میں داخل ہو جاتے ہیں اور بے بس فلسطینی مسلمانوں کے قتل عام سے جب ان کا جی بھر جاتا ہے تو امریکا کے ''مطالبے'' پر وہ اپنے ٹینکوں کو واپس اپنے زیر انتظام علاقے میں لے جاتے ہیں۔ اس انخلاء کا ڈھنڈورا پیٹ کر وہ اپنے

خلاف غم وغصہ کی لہر کو بھی دبا لیتے ہیں اور اس ''احسان'' کے عوض اپنے مطالبات منوانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

یہود کا مسخرہ پن اور رذیل حرکتیں ایسی ہیں جنہوں نے ان کو مردود اور ملعون بنا کے چھوڑا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں آتا ہے کہ ان کو حکم ملا تھا کہ یہ ایک آبادی میں اس حالت میں داخل ہوں کہ استغفار کے الفاظ زبان پر جاری ہوں اور عجز وندامت سے سر جھکائے ہوئے ہوں۔ ان بدبختوں نے یہ کیا کہ استغفار کے الفاظ کو بدل کر کچھ کا کچھ بڑبڑانے لگے اور سر جھکا کر ندامت کے اظہار کی بجائے چوتڑوں کے بل گھسٹ کر شہر میں داخل ہوئے۔ ایسی کمینہ حرکات کی بنا پر ان پر عذاب نازل ہوتا رہا ہے لیکن اس سے ان کی آنکھیں نہیں کھلیں اور وہ آج بھی اس طرح کی نیچ عادتیں اپنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً آپ نے سنا ہوگا کہ امریکا اور مغربی ممالک کے دباؤ پر اسرائیل فلسطینی مسلمانوں کا اتنے مربع کلومیٹر علاقہ خالی کرنے پر تیار ہوگیا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ یہودی گماشتے اپنے زیر قبضہ علاقوں میں رکھی گئی اینٹیں یا دیگر علامات اٹھا کر ایک فٹ پیچھے کر لیتے ہیں اس طرح ایک فٹ کی چاروں طرف پیمائش سے ''خالی کردہ علاقہ'' کئی سو گز بلکہ مربع میل بن جاتا ہے۔ اس کو وہ انخلا سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی یہ مضحکہ خیز حرکات زمین والوں سے مخفی ہیں، لیکن آسمان میں ایک ذات ایسی ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہ ہر چیز کا حساب جلد یا بدیر ضرور لے گا۔

دو ٹکڑوں میں ایک کہانی

تحریر: [illegible]

[illegible]

فلسطینی مجاہد کے ساتھ ایک شام

سہولتیں، ہندوؤں کو اپنے تجربات سے مدد دیتے تھے مگر بہادر مسلموں نے ان کی سبھی گم کر دی ہے۔ اس کے تھنک ٹینکس کو اس سے اتنا ڈر بیٹھ گیا ہے کہ وہ بلکانا رو گئے ہیں۔ وہ ایٹمی ہتھیار جیسا ناقابل شکست ہے کہ اس کے سامنے یہودیوں کے مہلک کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار بھی ناکارہ ہیں۔ اب میں آپ کے اصل سوال کی طرف آتا ہوں۔

عام مسلمان ہمارے مسلموں کی کامیابی کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں لیکن اس اندیشے سے دل مسوس کر رہ جاتے ہیں کہ اب وحشی سرخیلی شیری آبادی کو نشانہ بنائیں گے اور نتیجے مسلمان زخمی، معذور یا شہید ہوں گے جو زندہ بچیں گے ان کا سہارا چھن چکا ہوگا اور ان کا کھانا بھنڈوڑ کیا جائے گا۔ یہ باتیں بظاہر درست ہیں کہ ہر مکمل مسلمان ان سے غمگین و رنجیدہ ہوتا ہے لیکن ہمارے بھائیوں کو یہ حقیقت جاننی چاہیے کہ تحریک انتفاضہ (عربی میں حرکت، بیداری اور انقلاب کو انتفاضہ کہتے ہیں) شروع ہونے سے قبل ہماری بے سروسامانی کے سبب فریقین کے جانی نقصان کا تناسب ایک یہودی کے مقابلے میں دس مسلمان کا تھا۔ اس کو یہودی میڈیا فخر سے بیان کرتا تھا۔ اس عرصے میں جب تم مسلمانوں نے مظلومیت کی حالت میں جان دی جب سے انتفاضہ شروع ہوئی یہ تناسب گھٹ کر ایک اور تین پر آ گیا ہے۔ اب تین مسلمانوں کی جان لینے پر یہودیوں کو اپنی ایک اعلیٰ اخلاقی چرتی ہے۔ ہر طرح کے وسائل سے مالا مال یہودیوں کے مقابلے میں یہ تناسب اتنا ناقابل رشک بھی نہیں بلکہ یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم اپنا نقصان ایک تباہی تک اکر یہودیوں کے نقصان میں مسلسل اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ ہم سے ہر اوطن گھر بار، مال و اسباب اور جان و آبرو تو یقین ہی کئی تھی اور یہودی ہمیں لاشوں کا تحفہ دے کر فلسطین تھپنے پر تلے ہوئے تھے اب ہم نے فیصلہ کرنا تھا کہ یہودیت کو چرکا لگا کر اس دنیا سے جائیں یا ان کے گھر بستے بستے جان دیں۔ ہم نے خوب سوچ سمجھ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس لیے بسم کی گہری آنکھوں کی خوبصورتی چمک مزید روشن ہوگئی اور وہ اپنے مخصوص لہجے میں اپنی بات میں وزن ڈال کر بولا: اس واسطے آپ لوگ ہم سے آنسوؤں کے ذریعے ہمدردی نہ کیا کریں۔ ہم نے یہ

تجمی نسل کا عرب خسران

اے میری قوم کے لوگو!

کی کے بارے میں رشتہ کیسی ان کی رشتی میں آ کر مخی رہا ہے والے دیوانی معاملوں کے لیے معاملہ لفظ لکھتے تھے۔ یہود ان کی آخری خط سے لکھنے کے لیے ہزار ۱۲ عرب روانہ ہونے کے دوران ان کی ایک بڑی تعداد ہے جس میں ان لوگوں سے تھے جو پہلی قوم کی اور اس میں آنے والے ان کے بعد ان کی پیروی حضرت شیخ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ کے ان دونوں کی حدیث تھی۔ ان کی دوسرا اتفاق ان سے متعلق پر بھی۔ اور ایک دوسری قوم کی اور میں میں آنے والے کی آخر انہوں نے ان ہونے سے انکار نہیں پایا آپ کے تھے۔ ان تین معلوم نہیں ہوتا۔ درحقیقت وہ اپنے پاک مشن کی تکمیل کے لیے لکھتے تھے۔ کریم ان سے ہوتا آنے تھے اور آپ سے مدد کی تھی۔ ان پوری کا تاج تھا۔ انہوں نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی کارروائیوں میں ولی نہیں چھوڑی۔ پیارے آپ پر ایمان لانے کے لیے آمادہ ہوئے تو آپ نے ان کی تھی کہ جو اس قسم کی کہانیاں ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ جب پہلے وہ ایمان لائے۔ آپ نے ان موقعہ پر وہ ایمان لائے ان نہیں لائے تھے اور ایمان لانے والوں کو قتل کرنے کی سازش کرتے تھے۔ آپ نے معلومات کی جانے کے لیے ان یہودیوں نے سخت ستم کا سہارا لینے سے نہیں کیا۔ انہوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ ان پر آوازے کسے۔ ان پر طنز کیے۔ ان کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ ان پر پتھر برسائے۔ ان کی تکلیف دہ القاب سے پکارا۔ ان کی مجلسوں میں ان کا مذاق اڑایا۔ ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کیے۔ ان پر جھوٹے الزامات لگائے۔ ان کے خلاف سازشیں کیں۔ ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ ان کے خلاف جنگیں لڑیں۔ ان کو اپنے گھروں سے بے گھر کیا۔ ان کو اپنے وطن سے جلاوطن کیا۔ ان کے اہل و عیال کو قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنایا۔ ان کے مال و اسباب کو لوٹا۔ ان پر مسلسل ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ یہاں تک کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔

پانچ کاموں والی پانچ امور ہدایت:

یہ رسول ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان کی تلاش میں کامیاب ہو گئے۔ اور ہر طرح سے اللہ کے دین کو غالب پایا۔ وفات کر گیا۔ اور اپنے پیچھے اللہ کے کلام قرآن کریم اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی صورت میں ایک ایسا ورثہ چھوڑ گئے جس سے اس کے ماننے والوں کی ضرورت پوری ہوتی رہے گی۔ آج ہم اس عظیم ورثہ کی برکات سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ اور ہمیں ہدایت کی جا رہی ہے۔ اس کو اپنا کر ہم

خلیفہ ارکوں کی گھس۔

دو انوکھی مثالیں

[illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [

سے زائد ان کتب کا خلاصہ اور مصداق ہیں جو ان کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ انہیں نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ حضرت مہدی کا مقصد ظہور جہاد کے ذریعے اسلام کا غلبہ ہوگا۔ جو شخص مہدی ہونے کا دعویٰ کرے اور شہیدوں کے ذریعے جہاد کے علاوہ کسی اور بات پر لوگوں کو جمع کرے یا اپنی کرشماتی شخصیت بنا کر لوگوں کی عقیدت کا رخ دین کی بجائے اپنی ذات کی طرف موڑے، وہ کذاب اعور ہے اور جو شخص عالم اسلام کے رہنماؤں سے بیزار ہو کر اسلام کے غلبے کے لیے کسی تائید کی خواہش رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرے، جہاد سے وابستہ رہے، اپنی نسلوں میں اس مبارک فریضے کو زندہ کرے، ان شاء اللہ ان فضائل سے کسی نہ کسی حد تک حصہ پالے گا جو حضرت مہدی کے ساتھ مل کر دجال اکبر سے لڑنے والے مجاہدین کو حاصل ہوں گے۔ مہدی منتظر کے ظہور کی بحث، قوت عمل اور جد و جہد کو معطل چھوڑ کر آسمان کی سمت نظریں لگانے اور کسی خود ساختہ انقلاب کے انتظار میں دنیا پر تیاں میں لگے رہنے کا بہانہ نہیں، یہ تو جد و جہد پر استقامت اور آخرت کی تیاری کی ترغیب ہے۔

اب ہم اس بات کی طرف لوٹ چلتے ہیں جس سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ اللہ رب العزت کی عادت مبارکہ ہے کہ نیکی یا بدی کے اجر یا سزا کو اس کے مشابہ بناتے ہیں تاکہ ان کا انعام بدلے کی قربانی اور ایثار کے مطابق ہو جائے۔ خواستہ رسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ و اصحاب نے امت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے بے مثال تواضع و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ان کا یہ عمل امت کی وحدت کے لیے انجام دیا گیا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کے نتیجے میں بہت سی قیمتی جانیں، اموال، اوقات اور وسائل بچ گئے اور اسلام اور مسلمانوں کے فائدے میں استعمال ہوئے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا یہ صلہ دیا کہ ان کی اولاد میں ایسے شخص کو پیدا کریں گے جس کی قیادت میں امت ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائے گی، اس کے ذریعے پورے کرۂ ارض پر نظام خلافت قائم ہوگا اور امت میں ایسا اتحاد و اتفاق دیکھنے میں آئے گا جو بے مثال اور عدیم النظیر ہوگا۔

بہت سے نیا نے کر دیا۔ سچ حق کی حمایت کی پاداش میں آئی ہوئے مگر دشمنوں کے حملے سے بچ کر صحیح سالم آسمانوں پر جانا اور پھر واپس آ کر انہیں تبلیغ کرنا صرف اللہ کے پیارے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انوکھی خصوصیت ہے۔ یہود عالمی اللہ اور کو اپنی وراثت گردانتے ہوئے مسیح (دجال اکبر ان کا مسیحا ہے) کے ظہور کے لیے کتنی بھی سرگرمی دکھائیں لیکن درحقیقت وہ اپنے حتمی انجام بکار کے لیے اسرائیل میں جمع ہوئے ہیں اور ان کا انجام کار وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں بیان کیا ہے: ''اور جس بستی کو ہم برباد کر دیں یہ ممکن نہیں کہ وہ دنیا میں پھر پلٹ سکے۔'' (الانبیاء ۹۵) اسرائیل اور امت مسلمہ کے مابین کشمکش دراصل عہد حاضر کی امت مسلمہ اور سابقہ امت مسلمہ جو اپنے منصب سے معزول ہو چکی ہے، کے درمیان وہ معرکہ ہے جس میں استقامت دکھانے والے ہی سرخرو ہوں گے۔

صدر پاکستان نے پچھلے ہفتے لاہور کے گورنر ہاؤس میں ایڈیٹروں اور کالم نگاروں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کا ایشو امریکی خوشنودی کے لیے نہیں اٹھایا گیا بلکہ اس کا مقصد اسرائیل اور بھارت کے درمیان بڑھتے ہوئے فوجی تعلقات کو حد میں رکھنے کے لیے قومی ذہن کو تحریک دینا تھا۔ یہ ''تحریک'' انتہائی عجیب و غریب ہے۔ جب یہود نے ''میثاق مدینہ'' کے عنوان سے عہد و پیمان کر لینے کے باوجود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی ریاست سے غداری کی، ان کے دشمنوں کو اکٹھا کر کے ان پر چڑھا لائے تو وہ آج ہماری طرف سے اسے یکطرفہ تسلیم کر لینے سے کس طرح ہمیں بخشے اور ہمارے دشمنوں سے تعلقات کم کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟؟؟ ہم نے خود کو امریکا کا باقاعدہ حلیف ثابت کرنے کے لیے کیا نہیں کیا؟ کیا اس نے بھارت سے فوجی تعلقات کم کر دیے ہیں؟ اگر ہم بیرونی خطرات کے تحت اپنے اس تاریخی دشمن کی ریاست کو سند تسلیم عطا کر دیں تو کیا وہ ان قادیانی، بہائی اور آغا خانی یہودیوں کو واپس بلا لے گا جو اس نے اپنے ہاں پال کر ہمارے یہاں چھوڑ رکھے ہیں؟ خدارا! اپنی فکر و نظر اور عمل کا محور و مقصد اس بات کو سمجھیے کہ یہود کا علاج بالمثل نہیں، بالضد ہوتا ہے۔

تلاش کا سفر

شہرت کی خواہش انسان کی فطرت میں پائی جاتی ہے۔ یہ انسان کے لیے آزمائش ہے کہ وہ دوسری مخلوق کی خواہشات کی طرح اس پر قابو پاتا ہے یا اس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ تصوف کے بانی حضرات جو اپنے اندر کی کمزوریوں کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ انسان کے باطن کو کھوکھلا کرنے والے امراض کی کیا کیا قسمیں ہیں اور ان کی اصلاح کیسے کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے اپنے تصوف میں روحانی امراض کی تشخیص، ان امراض کی وجوہات، اسباب، علامات اور ان کی تفصیل سے تحریر کیا۔ تصوف دراصل نام ہی اس علم کا ہے کہ انسان کے اندر کی کمزوریوں کا پتا لگایا جائے اور ان کا صحیح صحیح تشخیص کر کے ان کا علاج کیا جائے اور جو اچھائیاں اور اچھے اوصاف انسان کے اندر نہیں ہیں ان کو اپنے اندر پیدا کیا جائے۔ اہل تصوف کے یہاں عروج تو افکار، افکار اور اعمال کا متصادم ہی ہے۔ جو کچھ امراض تصوف کے خلاف ہیں انہوں نے تصوف کو اس تصوف سے سمجھا ہی نہیں یا پھر یہ افکار کی کمزوری ہوتی ہے جن چیزوں پر تصوف کا محل تھا انہیں کمزور سمجھ لیا گیا ہے۔ خواجہ حسن بصری نے ہوا میں گانٹھ لگانے کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اور ان کی اس روحانی قوت کی وجہ سے ان کے بارے میں جو کچھ افسانے بیان کیے جاتے ہیں ان کی اصل روحانی بنیاد یہی ہے۔

سب جانتا عرش پر تکبر کی شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے لیکن اس عرش کی سب سے اونچی منزل صوفیا ہے کہ انسان خود کو (یعنی اپنے صفات) کی نظر میں حقیر اور ناپسندیدگی کا خیال ہمیشہ ان جانے میں ان سے جس کا ترکہ نفس کے مقابلہ پر صبر پانے کی امید اس سے ٹل جاتی ہے اور اس وقت کسی بھی انسان کے اندر ان بیماریوں کے اثر ہونے کی اطلاع اس عرش کے اونچے درجے کا انکار ہے۔ اسی طرح جو کچھ یہ بیان کیے گئے ہیں ان سے دو لوگ بڑے اہم روایات سے اشتراک کی

گروپ نیذ تھے۔ اپنے شوق اور لگن کے سبب ترقی کرتے کرتے سویلین کی "اصلیب اعزاز" (ریڈ کراس) کا سربراہ بن گیا۔ جنگ عظیم دوم میں اس نے یہودیت کے لیے قابل قدر اصلاحی خدمات انجام دیں۔ جب جرمنی میں یہودیوں پر نازی ازم کا کوڑا برس رہا تھا تو اس شخص نے حقوق کی کمیٹیوں سے یہودیوں کو بچا بچا کر نکالنے میں اپنی جان کی پروا نہ کی۔ وہ چونکہ یہودیوں کا مخلوم سمجھتا تھا اس لیے اپنی جان پر کھیل کر ہٹلر کی یہودیوں کو موت کے منہ سے نکال کر محفوظ مقامات تک پہنچاتا رہا۔ اس طرح اسے یہودیوں نے اپنا محسن قرار دیا اور یہ غیر یہودی شخص یہودیوں کے ہاں بہت معتبر بن گیا مگر اسے خبر نہ تھی کہ اس کے سامنے مغضوبیت، معقولیت پسندی اور ثرافت کا روپ بھارنے والے یہودی ایک دن پاگل عفریت بن کر اس سے چمٹ جائیں گے اور اس کی جان لے کر چھوڑیں گے۔ ۲۰ مئی ۱۹۹۷ء کو اسے اقوام متحدہ کی طرف سے اسرائیل اور عربوں کے درمیان ثالث بنا کر بھیجا گیا۔ یہودیوں نے اس کا یہ جوش خیر مقدم کیا اور ان کی طرف سے اس تقرری پر خوب خوشی کا اظہار کیا گیا۔ برناڈوٹ نے اپنی سعی جمیل اور اس پسندیدگی کے پیش نظر آتے ہی صیہونی ہولیوں پر بسنے فلسطینیوں کے دیار ان کو روکنے کے لیے اپنے پورے اختیارات استعمال کیے اور ثر پسندی کو محدود سے محدود تر کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اس نے فلسطین کے طارت کا تفصیل سے جائزہ لیا اور ۱۵ ستمبر کو "برناڈوٹ پلان" پیش کیا۔ یہ پلان بھی اس کی منصف مزاجی اور صلح پسندی کا آئینہ دار تھا لیکن "ویقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس" (اور جو انصاف کا فیصلہ دینے والوں کو قتل کرتے ہیں) کے مصداق اس نے قتل کا پروانہ حاصل کر لیا۔ اس نے تجویز پیش کی:

"اگر صیہونیوں کو انسانیت کے نام پر فلسطین کا نوے فیصد دیا جائے تو ضروری ہے کہ ساتھ ساتھ فلسطینیوں کو بھی دو تہائی حصہ دیا جائے۔ اس طرح کہ اردن میں جب بھی چاہیں فلسطین میں اپنے گھروں کو لوٹ سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر فلسطین میں دوبارہ داخل آنا چاہیں تو ان کی جائیدادوں پر قبضے کے عوض وہ کامل انہیں معقول معاوضہ ادا کرے گا۔"

حالانکہ اس پلان کا یہ تھا کہ کوئی فلسطینی مسلمان کسی بھی وقت یہ حق رکھتا ہے کہ یا تو فلسطین

[illegible]

[illegible] ان سانحہ پر ہندوؤں نے ایک خوشی منائی آج ان کی ایک مخلص پارٹی [illegible] ہندوؤں کو [illegible] ہندوؤں کو [illegible] ہندوؤں کو

بچھوؤں کا ایکا

بچھو کے محقق ماہرین حیوانات نے لکھا ہے کہ اس کی پیدائش اس کی فطرت کے مطابق ہوتی ہے یعنی یہ جس طرح ساری عمر اپنے پرائے، دوست دشمن کی تمیز کے بغیر خلق خدا کو ڈستا رہتا ہے اسی طرح بوقت پیدائش مادہ بچھو کے پیٹ میں موجود بچے عام جانوروں کی طرح جھلی لینے کی بجائے اس کا پیٹ چیر کر باہر آتے ہیں۔ چنانچہ پھر وہ ساری عمر اس حرکت کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جو دنیا میں آتے ہی محسن کشی کی بدترین شکل میں ان سے سرزد ہوئی تھی۔ انسانوں کی عادات پر اس حوالے سے غور کیا جائے تو نسل انسانی کے دو گروہ یہود و ہنود سینہ تان کر سرخ بچھوؤں کی جوڑی دکھائی دیتے ہیں۔ امریکا نے یہودیوں کی جس قدر حمایت کی اور اس کی خاطر ایسے ایسے انسانیت کش اقدامات کیے کہ آج وہ کرۂ ارض پر سب سے زیادہ نفرت کیے جانے والا ملک ہے لیکن اس کے عوض یہودیت اس کے ساتھ کیا کرتی رہی؟ یہ بڑی دلچسپ داستان ہے جس کا تذکرہ ہم "آپریشن سوزنا" اور "لبرٹی" پر حملے کے حوالے سے کریں گے۔

پچھلی صدی کی چھٹی دہائی میں جب اسرائیل تازہ تازہ صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا تھا مصر میں جمال عبدالناصر کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ اسرائیل اس سے حد درجہ خائف تھا اور اس کی خواہش تھی کہ مصر سے خود نہ ٹکرایا جائے امریکا کو اس سے بھڑا دیا جائے۔ اس کے لیے اس نے دقتے دقفے سے دہائی دیانتداری اور انسانیت و اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کیں۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں بری طرح ناکام ہوگئیں اور اسرائیل بہت ہی شرمناک انداز میں بے نقاب ہوا۔

ان میں سے پہلا منصوبہ "آپریشن سوزنا" کا تھا جو ۱۹۵۴ء میں ترتیب دیا گیا۔ یہ اسرائیلی حکومت کی طرف سے امریکا کے خلاف خفیہ دہشت گردی کا منصوبہ تھا جس کے مطابق مصر میں

دوسرا جملہ کچھ اس طرح ہونا چاہیے۔

"پناما لیون سے زبردستی استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا کیونکہ اس کو امریکا کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں کی سرپرستی کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امریکا کو اسرائیل کے دشمن پر حملے کرنے کے لیے کسا جائے۔"

اس ناکام سازش میں اسرائیلی وزیر دفاع کو امریکا کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں کی سرپرستی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود امریکی حکومت نے جوابی ردعمل کے طور پر اسرائیل کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی کہ اس سے سفارتی تعلقات بھی نہ توڑے بلکہ اس کی سرزمین ذاکری کی مالی و فوجی مدد میں کمی تک کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔

سیاہ پنجوں کے پنجی نظرت بد سے باز نہ آنے کی دوسری مثال "لبرٹی" پر دہشت گردانہ حملہ ہے۔ یہ لبرٹی امریکا کا تعلیم انٹیلی جنس جہاز تھا جو ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل کے تحفظ کے لیے بحر احمر میں گشت کر رہا تھا۔ ۸ جون ۱۹۶۷ء کو چند اسرائیلی لڑاکا طیارے جن پر سے شناختی نشان مٹا کر ان کا رنگ تبدیل کر دیا گیا تھا، لبرٹی پر حملہ آور ہو گئے۔ ان کا ساتھ دینے کے لیے چند غیر نشان شدہ تارپیڈو کشتیاں بھی اپنے اس محافظ پر جھپٹیں اور دو گھنٹے میں ۳۴ "قیمتی" امریکی جانیں تلف ہونے کے ساتھ آزاد امریکی لڑی ہو گئے۔ یہودی جہازوں نے سب سے پہلے لبرٹی کے ریڈیو ٹاور پر حملہ کیا تاکہ امریکا کے چھٹے بحری بیڑے کو اطلاع ہو سکے کہ یہ کارستانی ان کے پروردہ کلون بچھو کر رہا ہے۔ نشانات سے خالی لڑاکا طیارے اس وقت تک خوفناک انداز میں اپنی مدد کو آئے ہوئے امریکیوں پر بمباری کرتے رہے جب تک انہیں اطمینان نہ ہو گیا۔ بقیہ کسر تارپیڈو کشتیوں نے پوری کی اور ان امریکی سپاہیوں کو بھی نہ بخشا جو حفاظتی کشتیوں کے ذریعے جان بچا کر فرار ہو رہے تھے۔ اسرائیلی کشتیوں پر نصب مشین گنوں سے نکلنے والی گولیاں ان امریکی فوجیوں کو چھلنی کرتی رہیں تاکہ دنیا کو باخبر کرنے کے لیے کوئی ذی روح زندہ نہ بچے اور "مصر" کی یہ دہشت گردی امریکا کو غضبناک کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔ اسرائیلی اسے "ہوائی کا مکمل نقشہ کر" ایش چلے تھے لیکن اس موقع پر جہاز کے کپتان اور اس کے معاون عملے

ہزار چہروں والا آدمی

تھی کہ وہ خالی ہاتھ فلسطینی نوجوانوں کو پتھروں سے مسلح ٹینکوں کے سامنے جہاد کرتے اور انہیں جنگ کے دینے کے طعنے دیتے ہوئے سنتے تھے۔ اس سے قبل عرب کی کسی کتاب میں تھے دیوہ ہیکل منتقل ہونے والے رازوں تک ان کا تسلط تھا اور نہ کسی دوسرے عرب کو ان کی قوت تک رسائی نے ان کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

ہوا یوں کہ نمازیوں سے بھری مسجد میں ایک نہتا پاگل اور کمزور سا یہودی گھس آیا۔ یہ یہودیوں کے اس فرقے سے تعلق رکھتا تھا جو تین رات پرانی ہوئی کھچڑی سے زیادہ بہادر اور زندگی کے بارے میں زیادہ معقول نقطہ نظر کے ہوتے ہیں۔ ان سے عام یہودی بھی کنی کترتے ہیں۔ اس یہودی کے ہاتھ میں اپنی خلوت کی پشت پناہی اور فلسطینی مسلمانوں کی بے بسی کے سبب کچھ زیادہ ہی جرأت آگئی تھی۔ اس نے مسجد میں گھستے ہی زور سے بم پھاڑ دیا۔ پھر پلک جھپکتے میں کئی نمازی اپنے رب سے جا ملے۔ متعدد شدید زخمی ہو گئے۔ مسجد کا فرش خون سے تر بتر ہو گیا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ چند لمحے پہلے کیا آفت ٹوٹ پڑی۔ اس شیطان صفت یہودی کو آتا دیکھ کر جب مسجد کا فرش خون سے دھویا جا رہا تھا تو کسی نمازی نے اس کا منظر پیش کرتے ہوئے بتایا کہ جب اس کی آنکھیں نور سے خیرہ ہوئیں تو ایک نوجوان ایسا بھی تھا جس نے چیخ چیخ کر پوری قوم کو بہادری کے جذبے سے سرشار کر دیا۔ یہ نوجوان کوئی عام سا نوجوان نہیں تھا۔ اپنی کا احساس اسے ہر دم حاوی رہتا تھا۔ اس نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی قوم کو یہودیوں کے زخم کا مرہم پٹی بننے کا مزا کچھ اور ہی ہوتا ہے کہ بعد کوئی یہودی مسلمانوں کی عبادت گاہ میں گھسنے سے پہلے اپنے انجام کو سوچ لے۔

اور انتہائی عزم و ہمت کے بل بوتے پر انجانے راستے پر گامزن ہو گیا۔ وقت نے اس کے جذبے کی لاج رکھی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اسرائیلی وزیر اعظم سے لے کر اسرائیلی انٹیلی جنس کے بڑے تک اس کے نام سے خوف کھاتے تھے۔ اس کے کارنامے سنتے نہیں بیتتے تھے۔ اور ہر صحیح ہوتے تھے کہ یہودی ماہرین نے اس کے متعلق رپورٹ میں لکھ دیا کہ اسے یہودی مذہب کا دیوانہ قرار دیا۔ اس کے متعلق لکھا جاتا تھا کہ "یہ پاگل آدمی" ہے جو ایک وقت کئی خدا دیکھتا ہے۔ کیسے اور کیوں! اس کے متعلق کسی کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

فلیش پوائنٹ

"آپ اور میں جو بات لکھتے ہیں۔"

"معاف کیجئے! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ ویسے کئی لفافے آتے جاتے ہیں لکھے نہیں جاتے۔"

"مجھے معلوم ہے آپ ایسے ہی چلا دیتے ہیں۔ اصل بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس نیا ایف ۱۶ موجود ہے، پھر بھی فلسطین پر گھستے رہتے ہیں؟"

"ہاں اس کے خیال میں بیت المقدس دو فلیش پوائنٹ ہے جہاں لڑ کے وہ جنگ کے چھٹے تیسرے درجے کے ہتھیار (اگنیٹ کیوبی آر پی جی وغیرہ) کی شکل اختیار کر لیں گے۔ القدس اس جنگ کا ٹرگر ہوگا۔ اس کے بارے میں یہودی سب آگ اگلتے رہتے ہیں۔"

(بے مطلب!)

"مطلب یہ کہ مشرق وسطیٰ میں ایک زبردست قسم کا بم گرے اور پورا خطہ اس کے نتیجے میں عالمگیر جنگ کی لپیٹ میں آ جائے۔ اس سارے عرب مکس اور پھر سارے مسلمان ملکوں پر قابو پانے کی کوشش کرے گا۔ تاکہ ساری دنیا کے یہودی دارالحکومتوں کے پریس اور الیکٹرانک میڈیا میں بیٹھے ہوئے یہودی پروپیگنڈا کرنے والے اس کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ ہے دجال کی وہ نئی پریس کانفرنس جس کی تیاریاں بھی مکمل ہیں جسے ملاقات کے ذریعے دنیا بھر کے ٹی وی چینلوں پر دکھایا جائے گا۔ اس صرف ایک سال کا وقفہ باقی ہے۔ مہدی امریکی کی آخری "عظیم تر اسرائیل" کے لیے آخری مکمل تیاری کے لیے اس ایک سال کا وقفہ درکار ہوتا ہے اور وہ ہے ایک تباہ کن زمینی یہودی جارحیت کے لیے ایک عبوری کامل تعمیر۔ یہ جارحیت کو ایک خاص حد تک قبول کرنے کی یقینی ضمانت

"یہ یہودی" دجال" پر پیشگوئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نقصان کے بعد دوستار رکھیں تو ویسا کبھی نہ کھیلیں گے۔ فدائی حملوں سے پہلے روایتی جنگوں میں فریقین کے جانی نقصان کا تناسب ایک اور دس تھا۔ اب یہ کمیت بدل کر ایک اور تین رہ گیا ہے اور جس دن فدائی بمبار ان علاقوں کی تکنیک کو بہتر بنانے میں کامیاب ہو گئے اس دن یہ تناسب تین اور ایک اور پھر دس اور ایک بھی ہو سکتا ہے۔ اس نقصان سے گھبرا کر یہودیوں کا جو حال ہے اس کا تو تصور بھی مشکل ہے۔ مسلمان دامے درمے کمزور ہے لیکن یہودی اپنی جان کی پوری قیمت لگا کر ہی میدان میں آتا ہے۔ اس بات کا یہ ہے کہ جب یہودی "نبی یا مسیح" جیسے واقعات میں مسلمانوں کا بڑا قتل عام کرتے تھے تو اس کا اظہار نہیں ہوتے دیتے تھے۔ اب جب وہ مسلمان آبادیوں کے خلاف انتقامی کارروائی کرتے ہیں تو اسے حقیقت سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان رائے عامہ مسلمان نوجوانوں کو سمجھائیں کہ تم یہودیوں کو چھیڑ کر اپنی معیشت (جو کہ درحقیقت یہودیوں کی شہ رگ ہوتی ہے) کو اذیت دو۔"

آپ خود ہی وکالت کرتے ہیں اس کو کیسے دیکھتے کہ اس میں کیا کچھ کہا جا رہا ہے۔"

"دیکھیے! اس موضوع کو خواہ مخواہ نہ کھولیے۔ یہ وہ کتاب ہے جس نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کا دفاع کیا۔ آج جہاں میں مراقب کھڑے ہیں یہاں ہر طرف مسلح یہودی دھوتیوں اور مذہبی یہودی چوٹیاں نظر آ رہی ہوتیں۔ آسمان دن بھر میں تین بار کہتا ہے کہ بھارت میں فلاں جگہ پاکستان کے جاسوس پکڑے گئے۔ کسی ایک آدمی کے پکڑے جانے سے کتنا زبردست نقصان ہوتا ہے۔ پھر فدائی حملوں میں ایسا کوئی نقصان نہیں۔ پھر آپ بے نام کس کو کہتے ہیں؟ ان یہودیوں کو جو دنیا بھر سے دجال کے استقبال کے لیے ارض موعود میں ایک گھاٹ رکھنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے من حیث القوم جرم اتنے ہیں کہ اب ان کا کوئی فرد بے گناہ نہیں۔ کوئی اصل مجرم ہے کوئی اس کا معاون۔ پھر یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ اقتدار اصل مقصود ہوتا ہے تعلیم اور تعلیم چیزوں کا نہیں۔ اصل حملہ دشمن پر ہوتا ہے۔ دشمن میں کوئی بے گناہ رہ نہیں جاتا تو اس کی ذمہ داری چند نہتے انسانوں پر کیوں؟"

بلکہ نفس ہوں، انھیں سے فرشتے بھی پیدا ہوتے ہیں۔"

"اچھا یہ بتائیے! القدس کی قسمیں کہاں سے حاصل ہوتی ہیں۔"

"یہ سب" خواب مؤمن" اداروں کے تعاون کی بدولت ہے۔ ہم سمجھتے تھے بیداری کی تصویر کے بغیر خواب مکمل نہیں ہوتا۔ "خواب مؤمن" میں بیداری کی کوئی تصویر نہیں ہوتی لیکن وہ بھی تصویری صورت میں ہوتا ہے۔"

"پھر بھی ہمیں تو نہیں!"

"یہ ہماری مشکل کا مکمل حل ہے۔ ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو آپ کی فکر اور محبت نے اتنا متاثر کیا ہے کہ ہم نے اپنی بیداری کے اوقات میں بھی خواب مؤمن کی تکنیک کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح ہماری بیداری اور خوابوں کی دنیا ایک ہو جائے گی۔" پھر اس نے اسرافیل کی طرف دیکھا جو اس کی بات سن رہا تھا۔ "اسرافیل کی خدمت کا جذبہ دیکھ کر تو مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ان کا مقدر ہے۔"

۱۰ اوڈی پتھر کی مار

میں خود امدادانہ مسکراہٹ کی نحوست چہرے پر جمائے نظر آئیں گے۔ فلسطین پر غاصبانہ قبضے سے آج تک کے پچاس سال سے زائد عرصہ میں یہودی دہشت گردوں نے لاتعداد مسلمانوں کی جان لی، بے شمار مسلم قائدین کو شہید کیا لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ وہ اس "عظیم مجاہد" کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے اور یہ بوٹ پھوٹ سے محفوظ "شہادت پروف" قسم کی چادر اوڑھے ان کے قلب میں موجود رہے اور ایسی ریاست کی کامیاب حکمرانی کرتا رہا ہے جس کا تخت کامیابی کے ساتھ ہوا میں معلق ہے۔ اس کی زندگی کا حاصل یہ تھا کہ یہ ہر موقع پر یہودیوں کے ساتھ سمجھوتے کر کے اپنی فوج زدہ اور نیم زندہ نیم مردہ قسم کی حکومت کے لیے مہلت کی چند مزید ساعتیں حاصل کرتا رہا اور اس کی واحد کامیابی یہی تھی کہ یہ "القدس فروشی" کے عوض چند رعایتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں ہم اسی کی ایک رعایت کا ذکر کرتے ہیں جو اوپر ذکر کیے گئے لطیفے کے تذکرے کا سبب بنی۔

آج سے تقریباً دو دہائیاں قبل اسرائیل کے وزیر اعظم ایہود بارک (جسے اس زمانے کے اخبار نویس اہود بارک لکھتے تھے) نے طویل مذاکرات اور پرجوش مصالحتی مشنوں کے بعد یاسر عرفات کی فلسطینی اتھارٹی کے ساتھ ایک منصوبے پر اتفاق کیا جس کے تحت "الاقصیٰ مسجد کمپلیکس" کو تین حصوں (تین سطحیں کہنا زیادہ مناسب ہے) میں تقسیم کیا جانا تھا۔

(۱) زمین پر موجود مسجد اقصیٰ بالمعہ صحن اور جو کچھ چبارہ دیواری میں ہے۔

(۲) جو کچھ کہ مسجد کے نیچے زمین میں ہے۔

(۳) جو کچھ کہ مسجد کے اوپر فضا میں ہے۔

اس میں سے پہلا حصہ یاسر عرفات کو مرحمت فرمایا گیا تھا اور ایہود بارک اور ان کی نیم نے اسرائیل کے لیے "صرف" زمین کے نیچے والے حصے پر "آسکا" کیا کیونکہ یہودیوں کے خیال میں مسجد اقصیٰ کے نیچے ان کی عبادت گاہ دفون ہے۔ اس "مصالحانہ اور قطعی طور پر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ" منصوبے کے مطابق تیسرے حصے کو آزاد چھوڑ دیا گیا لیکن دنیا بھر کو اس آزادی کا مطلب معلوم تھا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ فلسطینی اتھارٹی اور حکومت اسرائیل میں سے صرف

کی اس تحریک کو مضبوط کرنے کے لیے یہودی تنظیمیں مدد کر رہی ہیں۔ یہ یہودی تنظیمیں قرض دے
سکتی ہیں کہ عیسائیوں سے کسی طرح کا رابطہ کیا جائے یا ان سے تعاون کیا جاتا ہے۔
جس طرح کہ اسرائیل کے لیے انہوں نے یہودی عیسائی تعاون (JEWISH
CHRISTIAN CO-OPERATION) کا ادارہ قائم کیا ہے اسی طرح بین الاقوامی عیسائی
سفارت خانہ (International Christian Embassy) بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان تنظیموں
کے ذریعے یہودی عیسائیوں کے قریب آ رہے ہیں اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔
کتنی عجیب بات ہے کہ یہودی جو عیسائیوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں آج ان کے ساتھ مل کر یہودی ریاست
مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ یہی یہودی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھانے کی
کوشش کی اور انہی کو گرفتار کرانے کی سازش کی۔ یہی وہ یہودی ہیں جن سے نفرت کے
اظہار کے طور پر صدیوں تک عیسائی ان کو قتل کرتے رہے اور ان پر مظالم ڈھاتے رہے۔ تاریخ گواہ
ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ انتہائی ظالمانہ تھا۔ ان کی
جائیدادیں چھین لی گئیں، ان کو شہروں سے نکالا گیا اور انہیں ملک سے باہر نکال دیا گیا۔ یہاں تک
کہ یہودیوں کو مخصوص بستیوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا۔ آج وہی عیسائی یہودیوں کی حمایت میں
پیش پیش ہیں اور یہودی ریاست کے قیام اور اس کو مضبوط بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور
ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر ممکن تعاون کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے
کہ ان کے عقیدے کے مطابق مسیح کی آمد ثانی کے لیے یہ ضروری ہے۔

دوسری طرف اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ آج مسلمان ان سب باتوں سے
بے خبر ہیں اور اپنی آپس کی لڑائیوں میں مصروف ہیں۔ ان کو اس بات کا احساس ہی نہیں
کہ ان کے خلاف کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔ مسلمان ملکوں کی حکومتیں بھی اس سلسلے میں خاموش ہیں۔
مسلمان ممالک اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ ان کے خلاف کیا منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔
اسرائیل اور اس کے حامی اس علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں اور
آج بھی مسلمان اس بات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ہیکل سلیمانی: فسانہ یا حقیقت

توہم اور حقیقت

[illegible]

کیا کیا ہے؟

لیا ہیں اور خود یہودیوں کے تعصب مذہبی، تعصب اور تاریخی حقائق اس کی تردید کرتے ہیں۔ آسمانی کتب اور تاریخی مصادر اور تاریخی حقائق اس میں یہ بات ناقابل تردید حقیقت کے طور پر ثابت ہے کہ یہاں آج مسجد اقصیٰ موجود ہے اس جگہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور سے ہزاروں سال قبل بنائے آدم علیہ السلام میں بھی عبادت گاہ موجود تھی اور یہودیوں کے دور میں بھی موجود تھی اللہ کے نبی نے اس جگہ کو اپنی پیشانیوں کے لمس سے آباد کیا چلے گئے تھے۔ حفل اسفلان یہ لکھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کی اور اس میں عبادت کے کام کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جگہ ابو الانبیاء والمرسلین سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے عبادت گاہ کے طور پر معروف تھی صحیح بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی تھی۔ اس حساب سے بیت المقدس کی اولین تعمیر اور بنیادی سے بہت عرصہ قبل ہو چکی تھی۔ چنانچہ یہودیوں اور یہودیوں کی مقدس کتابوں کی رو سے بھی یہ امر ثابت ہے اور خود یہودی ان کا انکار نہیں کر سکتے۔

استحقاق کا دعویٰ کیسے؟

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کے بعد بھی یہاں کئی مرتبہ تعمیرات ہوئی ہیں لیکن مرتبہ زلزلوں کی وجہ سے اور بعض مرتبہ جنگوں کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں کئی مرتبہ اس کی تعمیر ہوئی ہے چھٹی صدی قبل از مسیح کے زمانہ میں بابل (عراق میں یہودیوں کو جلا وطن کیا تھا تباہ کیا تھا) کے ظالم بادشاہ بخت نصر کو جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مسلط کیا تو اس نے یروشلم فتح کر کے یہاں کے یہودیوں کو یرغمال بنا کر اور یہاں کو تباہ و برباد کر کے یہاں سے نکال دیا اور یہ جگہ ستر سال تک ویران اور برباد پڑی رہی اس کے بعد یہودیوں اور رومیوں کی فلسطین پر حکومت کے مختلف ادوار رہے ہیں اور ان کے دور میں یہاں تعمیرات ہوتی اور تباہ ہوتی رہی ہیں اس بات سے تاریخ کا ادنیٰ

کھنے کا نہ سمجھانے کا

سامری کا بچھڑا

عظیم مرا مرائیں کیا ہے؟

القدس کے فدائیوں کے نام

اور اخلاق کی بڑائی بھی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنی زبان سے اپنی بڑائی نہ کرے اور دوسروں کو اس کا موقع دے۔ اس لئے اس مجلس سے بھی اس کی بڑائی ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد ان کے ساتھ کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد پھر وہی مجلس شروع ہوئی۔ اس مجلس میں ایک صاحب نے جو کہ ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے اور ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی، ان سے کہا کہ آپ کی بڑی عزت ہے، آپ کو بڑی تنخواہ ملتی ہے، آپ کے پاس بڑی بڑی سواریاں ہیں، آپ کے پاس بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں، آپ کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں ہیں، آپ کے پاس بڑے بڑے باغات ہیں، آپ کے پاس بڑے بڑے کارخانے ہیں، آپ کے پاس بڑے بڑے بینک بیلنس ہیں، آپ کے پاس بڑے بڑے بنک بیلنس ہیں، آپ کے پاس بڑے بڑے بنک بیلنس ہیں، آپ کے پاس بڑے بڑے بن

[illegible]

اے بنی اسرائیل.....!

دو قبریں ایک سبق

نو چاچا اور طوری ماما دو عجیب و غریب کردار تھے۔ ہم آج تک فیصلہ نہ کر سکے کہ ان کی شخصیتیں زیادہ دلچسپ تھیں یا ان کے معمولات زیادہ انوکھے تھے۔ ان دونوں کرداروں کا اپنا اپنا رنگ، مخصوص حلیہ اور منفرد انداز تھا۔ دونوں کی آپس میں گاڑھی چھنتی تھی اور وہ گہرے دوست تھے۔ یوں تو طوری ماما بھی کم نہ تھا لیکن آج کی مجلس میں ہم صرف نو چاچا کی بات کریں گے۔ طوری ماما کی بات آگے چل کر۔ نو چاچا ۵۰ کے پیٹے میں تھے لیکن ان کی نظر اتنی عقابی تھی، آواز اس سے زیادہ پاٹ دار تھی۔ جب وہ اپنے مخصوص لہجے میں چھوٹے (دکان میں کام کرنے والا لڑکا) کو بلاتا تو اس کی آواز کی کاٹ اور گونج سننے والی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ چھوٹا زخمی ہو گیا، اس کے ٹانکے لگائے گئے تو طوری ماما نے نو چاچا کو مشورہ دیا کہ وہ چھوٹے کو زور سے نہ بلائے ورنہ اس کے زخم کے ٹانکے کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ نو چاچا کی گوشت کی دکان تھی اور وہ پیشے کے لحاظ سے قصاب ہونے کے باوجود اخلاقی اعتبار سے ہماری تہذیب کا جیتا جاگتا نمونہ تھا جس کی بنیاد اخلاقی روایات کی پاسداری، رکھ رکھاؤ اور وضعداری پر تھی اور جو اب چیز بر تر والے کلچر اور انٹرنیٹ کی نئی ہوئی تہذیب تلے دب کر دم توڑ رہی ہے، لیکن ہم یہاں اس کی اور اس کی تربیت یافتہ بلیوں کی ایک مخصوص عادت کا ذکر کریں گے جس میں معرفت کے کئی اسباق پوشیدہ ہیں۔

یوں تو ہر گوشت کی دکان پر آس پاس آوارہ بلیاں مٹر گشت (گوشت گشت کہنا چاہیے) کرتی رہتی ہیں لیکن نو چاچا نے جو بلیاں پالی ہوئی تھیں ان کی بات ہی کچھ اور تھی۔ یہ بلیاں

اگر انسان ان سے محروم ہو تو وہ جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اگر چہ ہدایت پرستی کے اس دور میں ان اعلیٰ نسلی اوصاف کی قدر نہیں لیکن پھر بھی یہ اپنی آفاقی حقیقتوں میں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے تو وہ بیت المقدس کی مغربی دیوار میں موجود دو قبریں دیکھ لے۔ اسے یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے گی۔ یہ دونوں قبریں قریب قریب دو قبروں میں واقع ہیں۔ ایک ایسے غریب الدیار شخص کی ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی اور خلافت عثمانیہ کی حمایت کی خاطر عمر بھر جدوجہد، سعی، قربانی، اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیا۔ یہ شخص دیارِ غیر میں مسافری کی حالت میں فوت ہوا لیکن آج اس کے نام کی طرح اس کی قبر بھی جو عزت و احترام حاصل ہے اس کو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ یہ شخص برصغیر کی تحریک آزادی کا مخلص رہنما اور تحریک خلافت کا پرجوش رہنما تھا یعنی مولانا محمد علی جوہر۔

مولانا محمد علی کا انتقال لندن میں اس زمانہ میں ہوا جب وہ گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے گئے تھے۔ جب وہ ہندوستان سے روانہ ہوئے تو ذیابیطس میں مبتلا تھے۔ ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں تحریک آزادی کے سلسلے میں یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے سول نافرمانی زوروں پر تھی اور تقریباً ایک لاکھ افراد جیلوں میں محبوس ہو چکے تھے کہ پہلی گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں وائسرائے ہند نے ۶۲ نمایندوں کو لندن میں ہونے والی انڈین راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (ہندوستانی گول میز کانفرنس) میں شرکت کے لیے مدعو کیا۔ ان میں ۵۷ برطانی ہند، ۶ ریاستی ہند اور ۱۳ ہندوستانی ریاستی حکمرانوں کے نمایندے تھے جن میں آغا خان، سر تیج بہادر سپرو، سر محمد شفیع، سر شیو اوتار نواب چھتاری، مسٹر ایم جیکر، مسٹر سری نواس شاستری، مسٹر دل چھتا تی، ڈاکٹر بے ایل مونجے، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی وغیرہ شامل تھے۔ اس گول میز کانفرنس کا آغاز انگلستان کے وزیراعظم نے قصر بکنگھم جان میں ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو کیا۔ یہ گول میز کانفرنس مسلمہ توقع ناکامی رہی اور کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تو وزیراعظم نے یہ کہہ کر سب نمایندوں کو بلایا چاہیے کہ آپ ہندوستان واپس جائیں اپنے فرقہ وارانہ اختلافات کا تصفیہ کریں اور ایک ایسی تجویز تلاش کریں جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔

اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی تاجر عرب مسلمان کے پاس قہوہ کس کا تحفہ سمجھ کر لاتے تھے اور اس نے بازار کس سے لئے تحفہ وہ رشوت کیا پایا تھا۔ اس کے بعد میں موالی محمدی کی خدمت بھی کی اس وجہ قدر تھی کہ اس نے ان کی اطاعت کی تھی مگر شیخ محمد بن عبدالوہاب کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ یہ تحریر دور کر لا کر دو تو میں آرام کا ہو جاؤں چاہے یہ تحریر تو اس نے اتنی محبت سے کی کہ انگلستانی مسلمانوں کی اطاعت اسلامی کی زندہ مثال اور ایشیا کی لئے معمول بنائی ہے کیونکہ وہی جگہ پر تجوری کی رقم بھی بڑے بڑے بادشاہوں پر نہیں ہوتی۔ اس شخص نے کوئی معاملہ اپنے ہاتھ سے نہیں کیا اور اپنے حکم بالا ہی سے اس کی تکمیل برداری کا انتظام کیا ہے۔ اس زمانے میں متعدد عقیدتی زائرین نے بتایا کہ جب ان کے تحریر کے کاروبار کا حال کرنا چاہا تو زائرین نے پوچھا کہ تحریر اپنے اس کو بطور نذرانہ پیش کریں تو اس پر چشم پوشی کس نے بتا دیئے سے انکار کیا۔

دوسری قسم ان تحریروں کی ہے جس سے مسلمانوں کو امریکا اور برطانیہ کی عالمی جنگ میں گرفتار کرنا یا خلافت عثمانیہ سے غداری کرنے کے لئے ان مقدس گھر سے جدا کیا اور تحریر دکھا کر اپنے آقاؤں کی نظر میں ان کو ترقی کی صورت عرب دنیا سے شریف مکہ کے کام سے ہوتی ہے اس کی قسم موالی حرم کی تحریر کے قریب سے لکھی ہے مگر ہندی مسلمان ان کے قریب جانا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں جبکہ موالی حرم سے ادنیٰ قسم کی عقیدت و محبت کا سلوک کرتے ہیں حالانکہ شریف حسین ان کو ہمیشہ ذلیل و حقیر سمجھتا اور موالی ہندوستان سے اچھی مساوات کا برتاؤ کرتا تھا جس سے ان کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا لیکن بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ انسانی سلطنت کی ایک قدر ہے کہ ایک شخص خاص اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی ہو تو وہ عزت و احترام کا مستحق قرار پاتا ہے اور ہندوستان سے محروم ہونے والوں نے عزت سے خط لکھنے کے باوجود بے قدر اور بے وقعت رہتا ہے۔ شریف حسین نے حکومت کی رائے میں آنریبل فرانس سے کی لیکن ہندوستان کے مسلمانوں سے کسی بڑے تاجر کی ہندی نے اس نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو جو سعادت دارین دلانے والے اکابر ہیں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے تھے کہ فرنگیوں کے انگریزوں کی قید میں دے

طوری ماما کا راز

ہو گئے، ورنہ اس ان کوئی خرابی والی بات ہو جاتی تھی۔

طوری ماما کے کردار کا یہ پہلو معلوم ہو جانے کے بعد ہمارے دل میں اس کی عزت اور بھی بڑھ گئی۔ وہ واقعی ان لوگوں میں سے تھا جو اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔ افسوس کہ ہماری قوم نے ان حریت پسندوں کی قدر نہ کی۔ نور طوری ماما جیسے بہت سے لوگ جنہیں قیام پاکستان کے بعد اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا جانا چاہیے تھا، گمنامی کی زندگی گزارتے ہوئے کسمپرسی کے عالم میں اس دنیا سے چلے گئے جبکہ بہت سے ناؤٹ نسل کے نٹ پوٹیے جو کسی زمانے میں موچی، حجامی یا ڈوم ہوتے تھے آج وہ عوام کے مستقبل کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان پر حکمرانی کرنے والے ان خاندانوں نے اس انگریز سے وفاداری کی تھی جس نے لاکھوں مسلمانوں کی جان لی، بیسیوں اسلامی ممالک کو تاراج کیا اور جاتے وقت یہاں اپنا تھوکا چاٹنے والے ایسے لوگ چھوڑ گیا جو آج تک امت مسلمہ کے جسم میں ناسور کی طرح سوزش پھیلا رہے ہیں۔ انگریز وعدہ خلاف، بدفطرت اور بدخصال قوم ہے جس نے ایشیا میں مغل سلطنت کے خاتمے، ایشیا اور یورپ کے بیشتر علاقوں پر عثمانی سلطنت کے سقوط اور افریقہ کے بہت سے مسلم ممالک کی آزادی سلب کرنے کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں یہودی ریاست کی سرپرستی کر کے عرب ممالک کو ختم ہونے والی بدامنی کا تحفہ دیا۔ اس نے ہر موقع پر یہودیوں کی بھرپور حمایت کی اور جب بھی یہودی سلطنت پر برا وقت آیا، یہ اس کے تحفظ کے لیے اس طرح چوکنے ہو گئے جیسے کیرا گھر کا چوکیدار رات کو کھٹکا سن کر کان کھڑے کر لیتا ہے۔

جون ۱۹۶۷ء میں جب اسرائیل کی عرب ممالک سے جنگ ہوئی تھی دنیا حیران تھی کہ مٹھی بھر یہودیوں میں جان کہاں سے آ گئی کہ وہ اس قدر زور سے مار رہے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ برطانیہ کے دو طیارہ بردار جہاز فلسطین کے دو سمتوں میں کھڑے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ ایک بحر میں تھا اور دوسرا بحر ہند میں اور دونوں ایک منٹ کے نوٹس پر حرکت کے لیے پوری طرح چوکس تھے تاکہ اگر یہودیوں کے غبارے سے ہوا نکلنے لگے تو یہ انہیں سہارا دینے پہنچ جائیں۔ جبکہ یہ وہ دن تھے جب یہودی ریاست کی چوکیداری کا فریضہ برطانیہ سے لے کر

حزب الشیطان کا کردار:

قرآن کریم نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر کیا ہے وہاں شیطان کے ساتھیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم نے ان کو "حزب الشیطان" کا نام دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان کے کام کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو ستائیں، ان کو تکلیف پہنچائیں، ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کریں۔ یہ لوگ ہمیشہ سے ہر زمانے میں ہر جگہ موجود رہے ہیں۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو ستائیں۔ ان کو تکلیف پہنچائیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

پانچویں شعبہ خطرہ

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قیام کے وقت نجد:

کاسابلانکا سے اسرائیلی پارلیمنٹ تک

[illegible]

[illegible] (Holocaust) [illegible]

[illegible]

[illegible]

احتجاج کا آغاز

[illegible]

پوپ صاحب سے ایک سوال

[illegible]

جارج بش سینئر تھے۔ یہ ایسے معاملے میں ان سے بھی زیادہ پیش قدمی پر تھے۔ ۱۹۹۰ء میں عراق اور کویت کے حامل مل کا بحران نے تو یہ اعلان کیا تھا کہ امریکہ نے تیل کے لیے کسی سمندر پار ملک میں اپنی فوج نہیں بھیجی تھی۔ جارج بش جونیئر تو اپنے والد سے بھی زیادہ گورے نکلے ہیں۔ اب یہ بات اتنی چھپی نہیں رہی کہ دنیا بھر کی گورا چمڑی والے حیوانی فرقے پر بالادستی کی فکر صیہونیت نواز شیخ "ایوانجلسٹ" سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک تحقیقی سفر میں ان کو کوئی پادری نہ ملا تو محترمہ کونڈا لیزا سے دعا ئیہ مدد لی تھی۔ افغانستان کے خلاف حملوں کے وقت اور اسے صلیبی جنگ (The Last Crusade) کہہ کر دل کی بات زبان پر لے آئے تھے لیکن پھر یوٹرن لے گئے۔

سستے سودے اور مہنگے قرضے:

الغرض اب ایسا ترکہ دوڑ گیا ہے کہ یہود عیسائیوں سے زیادہ اور عیسائی یہودیوں سے بڑھ کر مسلم دشمن بن چکے ہیں۔ یہ دونوں ہی مسلمانوں پر وہ تختۂ مشق آزما رہے ہیں جو کبھی ایک دوسرے پر استعمال کیے تھے۔ یعنی مراعات کے آزاد اور سہل طریقہ کار رائج کر کے انوں کو خریدنے کے لیے سستے سودے بنانا اور ملکوں کو قابو کرنے کے لیے بھاری قرضوں کے جال میں جکڑنا۔ میڈیا پر کرشمہ اور فحاشی و عریانی کا فروغ، سود، جوے اور رشوت کا لقمہ حلال بنانا، تاکہ کسی کی دعاء و مناجات قبولیت سے قاصل نہ رہے، نصاب میں تبدیلی خصوصاً یہود کی مذہبی کتابوں اور ان کے خلاف فرمودات نے تو کروڑوں کو متاثر کیا ہے (پاکستان کے لئے نصاب میں چھٹی جماعت کی اسلامیات میں غزوۂ احزاب کی تفصیلات ہونے کے علاوہ "غزوۂ خیبر" کی جگہ "فتح خیبر" کا عنوان رکھا گیا ہے۔ آقا خانیوں، بہائیوں اور قادیانیوں جیسے فرقوں کی پرورش اور سرپرستی کرنا، (اسرائیل میں صرف ان جن "مسلمان" فرقوں کو کام کرنے کی اجازت ہے) یہودی علماء سوء کے نام نہاد مسلمان شاگردوں کی کھیپ تیار کرکے مسلمان ملکوں میں انٹیلکچوئل کرنا اور مسلم عوام کو علماء و مشائخ سے فیضیاب ہونے سے بچانے کے لئے فوجی ڈکٹیٹروں، پروفیسروں اور سکہ رواں سے استفادہ کی اہمیت جتانا، مذہب میں بہت سی بحثیں اٹھا کر اہل علم کو ان میں مشغول کرنا اور فرقی مسائل کو دین و ایمان کا مسئلہ بنا دینے

فصل دوم

(Zion) ہے۔ یہودی عقیدے کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پہاڑی پر ایک عبادت خانہ تعمیر کیا جہاں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک اہم پیغمبر تھے لہٰذا اس پہاڑی کو مقدس سمجھا جانے لگا۔ یہودیوں نے اسے اپنے عالمی قومی مقاصد کے لیے ایک علامت بنا لیا۔ اسی سے لفظ صیہونیت (Zionism) بنا ہے۔ یہ عالمی مقاصد پانچ ہیں اور جو لوگ اسرائیل کو تسلیم کرنے کی باتیں کرتے ہیں ان میں ذرہ برابر بھی رمق باقی ہے تو انہیں سمجھ جانا چاہیے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم نہ کرکے ان پانچوں ناپاک مقاصد میں معاون و مددگار ہوں گے اور یہ لوگ جو یہودی خاکروبی کرکے ان کے لیے میدان صاف کر رہے ہیں، یہ شوق ایک دن انہیں اس انجام تک لے جائے گا کہ وہ حسرت کریں گے کہ کاش! ہم یہ دن دیکھنے سے پہلے مر گئے ہوتے۔ صیہونیت کے پانچ مشہور عزائم یہ ہیں:

☆ فلسطین کی سرزمین پر تمام دنیا کے یہود کے لیے ایک قومی وطن بنانا۔ یہ مقصد ۱۹۴۸ء میں برطانیہ کی سرپرستی میں حاصل کر لیا گیا۔

☆ یروشلم (القدس شریف) کو صیہونی سیادت کا دارالخلافہ بنانا۔ یہ مقصد ۱۹۶۷ء میں امریکا کی نگرانی میں پورا کر لیا گیا۔

☆ تمام مسلم ممالک کو نسلی، لسانی، گروہی اتحاد کے نتیجے میں توڑ کر مسلم اور غیر مسلم باشندوں کو الگ الگ کرنے کی (چھوٹی) ریاستیں یا صوبہ جات (Cantons) قائم کرنا۔ ان کے خلاف امریکا اور اقوام متحدہ کے انتظاب کے تحت مقرر کیے جائیں گے اور جن کے تمام قدرتی، معدنی، آبی، معدنی اور دیگر وسائل نیز بجلی، پانی، تیل اور گیس وغیرہ بنیادی ضروریات نئے ادارے پراجیکٹ ریشن کے ذریعے بین الاقوامی یہودی کمپنیوں (Multinational Companies) کے ہاتھ میں ہوں گے۔ مشرق وسطیٰ کو ۱۲ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرکے وہاں ایسے حکمران مسلط کروا دیے گئے ہیں کہ جن کو خبر ہی نہیں کہ ہمارے تیل کی دھار کس کے ہاتھ میں ہے۔ ان باتوں کو کوئی افسانہ سمجھے گا اور پڑھ لوگوں کو ان میں اپنے ذہن کے خیالات کی تصویر نظر آئے گی۔ یہ تصویر کی مغربی مفکرین (Think Tanks) کھینچ چکے ہیں

سرنگیں کھود کر وہاں عارضی طور پر یہودی عبادت جاری کی جا چکی ہے اور یہودی اپنے عوام کو یہ باور کروا رہے ہیں: "فی الحال زیر زمین اور مستقبل قریب میں برسر زمین۔" اس زیر زمین منصوبے کو زمین کے اوپر لانے کی وہ کوشش جس کے ذریعے آخری مرحلے کا آغاز ہوگا، یہودیوں کی اصطلاح میں "آپریشن ایمونیم" کہلاتی ہے اور جو اس خوفناک اور خطرناک عمل کے متجانب اثرات (Collateral Effects) کے مطالعے کی تکمیل کے بعد ہی ظہور میں آیا ہی جانتی ہے۔

☆ صیہونیت کا پانچواں عزم گریٹر اسرائیل کا قیام ہے یعنی فلسطین کے بعد شام، لبنان، اردن، کویت اور عراق مکمل جبکہ سعودی عرب، مصر اور ترکی کے کچھ علاقوں پر مشتمل عظیم تر صیہونی ریاست کی تشکیل جو مسیحائے منتظر و موعود (دجال، کعبر، جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے خدا ناشناس دنیا کو اپنے چنگل میں کرنے والا، نئے عالمی نظام کا سربراہ اعظم) کے شایان شان ہوگی اور پورے کرۂ ارض کے لیے وضع کیے گئے "نئے عالمی نظام" (New World Order) کو نافذ کرے گی۔ واقفان حال مسلم زمامہائے بار بار اس کا اعلان کر چکے ہیں کہ اسرائیل کا سانپ ان تمام مسلم ممالک کو ہڑپ کر جائے گا مگر دور پار کے ممالک فلسطین کی پھر بھی کچھ فکر رکھتے ہیں، لیکن تمام عرب ممالک خادم الحرمین الشریفین کی پیروی میں کالے دھندے والے گورے فقیروں کی اس جوڑی (بش و بلیئر) کا سایۂ عاطفت تلاش کرتے رہتے ہیں جن کی رگ رگ میں خبث یہود بس رہا ہے۔ صیہونیت کا پروردہ عالمی استعمار اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ان فکر والوں سے دو دھندے والے کڑیالے سانپ کی طرح (جو ایک منہ سے پچکارتا ہے اور دوسرے سے ڈستا ہے) سوگ کر رہا ہے۔ عالمی طاغوتی نظام اعلان کر چکا ہے: "ہم آخری اور فیصلہ کن جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہم ساری دنیا کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔" (صدر بش: خطاب فروری ۱۹۹۱ء) شر کی طاقتیں ہر ممکنہ طریقہ (Many Front Approach) استعمال کر رہی ہیں جبکہ خیر کو پھیلانے کے ذمہ دار تعالیٰ ہدی کی قوتوں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہی نہیں۔ انہیں کون سمجھائے ذرا اپنے اردگرد کی خبر لو! انہیں کون بتائے پہاڑی کے پیچھے سے فوج چڑھی آ رہی

زرد گنبد کی شہزادی

[illegible] THERMAL INFRARED [illegible] IMAGINARY [illegible] CONSERVATION ALIST [illegible]

لاکھوں ڈالر چندہ اکٹھا ہوتا ہے اور ان تنظیموں کی ویب سائٹ پر ناظرین کو کام کی رفتار اور نوعیت سے مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ کوشش بہت جہتی ہے اس میں ہر یہودی چاہے ..... سیاست دان ہو یا دہشت گرد، فنڈ، سرمایہ دار ہو یا جوئے کے کسی مرکز کا کیشئر ..... اپنی اپنی حیثیت اور وسعت کے بقدر حصہ لے رہا ہے۔

جون ۱۹۶۷ء سے اب تک ۱۰۰ سے زائد مرتبہ جو شیعہ یہودی مسلمانوں کی اس انتہائی مقدس عبادت گاہ پر حملے کر چکے ہیں۔ ان حملوں کے لیے اس تاریخ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ یہ صفر ۱۳۸۷ھ کے موافق ہے۔ یہودی مہینہ تھا جب تقریباً ۱۳۸۰ سال قبل مسلمانوں کو خیبر کے غدار یہودیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ ان حملوں میں مسلح یہودی بی۔ بی سے پیش پیش رہتے ہیں۔ ایک مشہور یہودی ربی شومن گورین کو جب اسرائیل کا چیف ربی بنایا گیا تو اس کا انتخاب کرنے والوں کے پیش نظر اس کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر حملہ کرنے والے ۵۰ مسلح غنڈوں میں سب سے آگے تھا اور ان کی قیادت کر رہا تھا۔ ان حملوں میں اسرائیلی حکومت پوری طرح ملوث ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ اسرائیلی فوج کے ذریعے کام کروائے اور پھر دنیا بھر کے خوابیدہ مسلمانوں کو جگا کر مصیبت مول لے۔ اس کی خواہش ہے کہ یہ کام یہودی انتہا پسند اپنے طور پر کریں اور وہ بڑی بڑی ناقابل عبور دیواریں تعمیر کر کے انہیں تحفظ فراہم کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۷ء سے آج تک اسرائیلی کے سرکردہ ربیوں (مذہبی رہنماؤں) نے ان حملوں کی کارروائیوں کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا۔ یہودی دہشت گردوں کی طرف سے مسجد پر ہونے والے متعدد حملوں کی ایک بار بھی اسرائیلی حکومت کے کسی اہلکار یا کسی سیاسی پارٹی کے عہدیدار نے ..... چاہے وہ حکومت میں ہو یا اپوزیشن میں..... مذمت نہیں کی، بلکہ یہ لوگ اگر اپنی حماقت کی وجہ سے ایسے کسی منصوبے پر عمل کے دوران گرفتار ہو جائیں تو ان سے عظیم قومی ہیرو جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی بھی دہشت گرد کو لمبے عرصے قید کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ اسرائیلی صدر نے ان کی سزاؤں میں خصوصی اختیارات کے تحت تخفیف ہی کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعلیٰ سطح پر حکومت

پوچھا کہ کیا آپ مسجد اقصیٰ کو ڈھا دینے سے ایک ہولناک بلکہ خوفناک مذہبی جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ نہیں؟ تو اس نے کہا "ٹھیک ہے کل یہی ہوتا ہے۔ لیکن ابھی ہی کیوں نہ ہو جائے تو بہتر ہے" یہودی انتہا پسندوں میں تحقیق کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کے تین مقدس مقامات میں سے یہودی اپنی عبادت گاہ کے لئے صرف ایک جگہ (ہیکل سلیمانی) کا انتخاب کر چکے ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف اسی ایک جگہ کا حصول ہے۔ اس کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اور اسی لئے وہ مسجد اقصیٰ کو ڈھا کر اس کی جگہ پر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

۱۹۸۵ء میں یہودا ایزون (YEHUDA ETZION) نامی ایک دہشت گرد گرفتار ہوا۔ اس نے بتایا کہ یہودی تنظیم اسرائیلی فوج کے ایک ریٹائرڈ کرنیل کے ساتھ مل کر مسجد اقصیٰ کے احاطہ کا تفصیلی معائنہ کر چکا تھا۔ انہوں نے فضائی فوج کے ایک پائلٹ کو بھی تیار کیا تھا جس نے ٹائم مسجد کے اوپر لاکر فضائی معائنہ کرنا تھا۔ جب یہودیوں سے اسرائیلی ہوائی جہاز مسجد کے صحن میں داخل ہو جاتے تو ہم مضبوط پرزے سے پہلے ہی تیار ہو جاتے۔ مقدمے کے دوران یہودا ایزون نے عدالت میں بیان دیا "اسرائیلی حکومت چونکہ مسلمانوں سے سرزمین کا کوئی ٹکڑا نہیں لے سکتی تو لازم آتا ہے کہ یہ کام ہم خود اپنے ہاتھوں سے کریں۔ اور اپنے ہیکل سلیمانی کی تعمیر اس نے عدالت سے کہا "میں وہ جگہ مقصود ہوں جہاں پر ہماری اس عبادت (مسجد اقصیٰ اور قبہ معراج) کو ٹھوکر ہو رہی ہے۔"

تو برادران اسلام یہ ہیں وہ عزائم جن کی راہ سے ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ مسجد اقصیٰ خطرے میں گھری ہوئی ہے۔ اس پر سازشوں کے گہرے بادل منڈلا رہے ہیں۔ لیکن فلسطینی مسلمانوں نے اپنے وجود سے اس کے تحفظ کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے لیکن وہ کب تک تنہا اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ یہ ان کا نہیں پوری امت مسلمہ کا فریضہ ہے

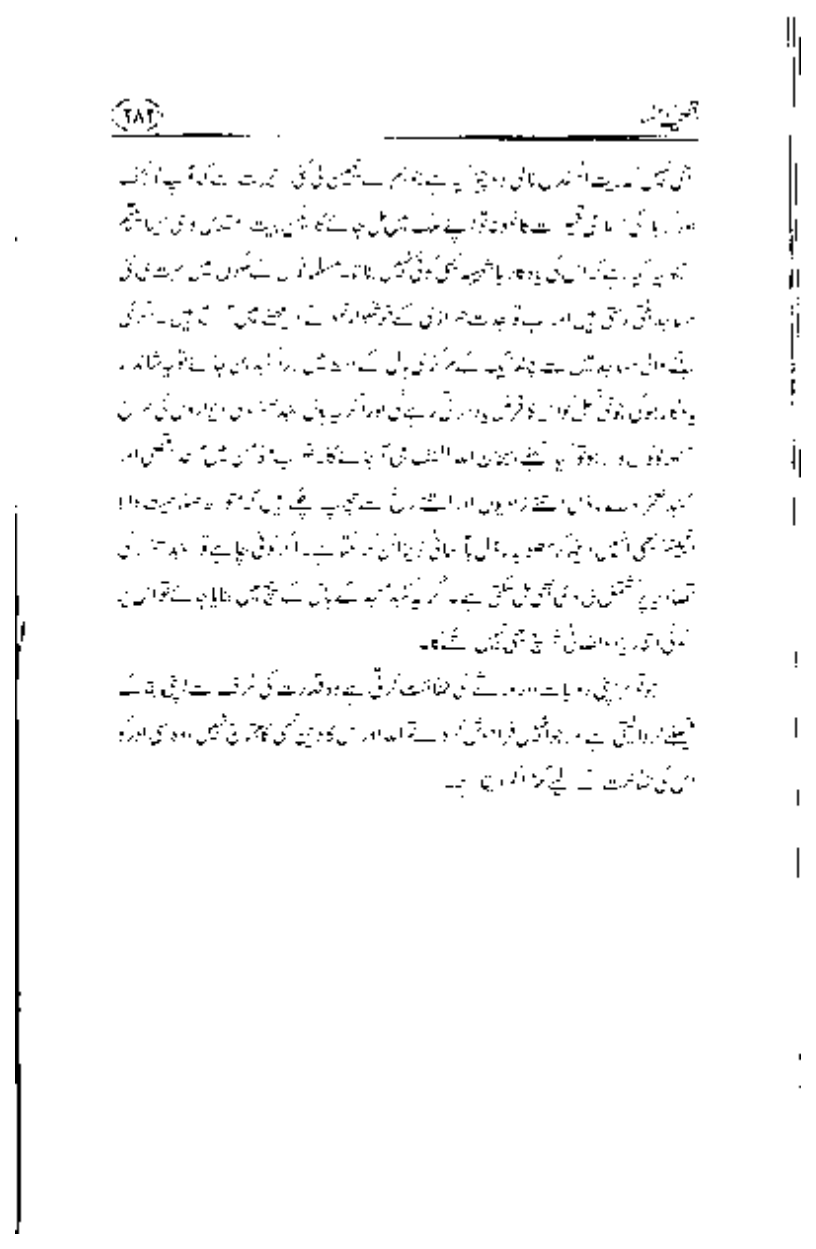

تورات کیا کہتی ہے؟

"مولانا صاحب! السلام علیکم"

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

"آپ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسرائیل یہودی ریاست تھی، یہودیوں کی ریاست ہے؟"

"اس لفظوں کے کھیل سے ان کا مطلب کیا ہے؟"

"اسرائیل کی نفرت کفر تک لے جاسکتی ہے؟"

"جب تورات کے مطابق اسرائیل کی بنیاد ہی اس لئے رکھی گئی تھی کہ اس سے نفرت کرنے والوں کو ایک دن ختم کردیا جائے گا، تو پھر اس کی نفرت کفر کیسے ہوسکتی ہے؟"

"آپ کو تورات سے کچھ واقفیت ہے؟"

"کچھ ہے، کچھ نہیں ہے"

"پہلے یہ بتائیے کہ یہ ٹوٹی پھوٹی صورت سے مولوی تھے یا مراد ہوتی؟"

"مولوی تھے بھی تو ہمیں پریشانی ہے"

"تو پھر یہ اسرائیلی مودودی ہوں گے"

"اسرائیلی مودودی؟"

"جی ہاں! آج کل ہمارے ہاں ایک نئی فرقہ بندی ہے جو تحریک اور حکومت میں اس کی پہلی تین قسموں (خلفاء پرست، ملوکیت پرست اور اسلام پرست) کے علاوہ ہے"

"اچھا آپ اب اس موضوع پر بات کریں"

''آپ ان سے پوچھئے اسرائیل کے بانی کون ہیں؟ (یہودا کا مضمون ''یہودا اسرائیل کی کہانی'' (بکلیٹ) اہل اوف زائے دھ فے یہودی اور صیہونی ریاست کہتے ہیں کہ ''ارض موعود'' اور ''میراث کی سرزمین'' کہتے ہیں اور ان کی خبریں پڑھتے تو دیکھ سکتے ہیں کہ ''صیہ کے دشمنوں کے لیے ایک امانت'' ایک راحت سر کنل میں لگائے'' یہ ان کا مذہبی عقیدہ ہے کہ صرف فلسطین نہیں بلکہ نیل سے فرات تک ''ارض موعود'' حاصل کرنے کی جدوجہد میں شریک ہونے والے ہر یہودی الاصل اور ہر یہودی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ فلسطین کی ''ارض موعود'' صرف واپس نہیں آئے گا۔ سر کنل کے خدائی رحمت سے محروم ہونے کا ''۔ مشے دایان نے ۶ جون ۱۹۶۷ء جنگ کے خاتمہ پر اعلان کیا ''ہم نے یروشلم پر قبضہ کر لیا ہے اب ہم یثرب اور بابل کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔'' ان شکر پسند مزاج سے آپ پوچھیں یہودی یثرب کس خبر کو کہتے ہیں؟ اسرائیل پارلیمنٹ کی دیوار پر ''شکر تر اسرائیل'' کا نقشہ ہے اس کی تصویر ہم شائع کر چکے ہیں۔ یہ نقشہ ہی پتانے کے لیے کافی ہے کہ اسرائیل یہودی ریاست ہے یا یہودیوں کی ریاست؟''

''ان عزائم کا کیا تعلق اسرائیل کی پارلیمنٹ میں مسلمان بھی ہوتے ہیں؟''

''آپ ایک واقعہ بتائیے''۔

''میری خاموشی''

''اچھا سنئے! اسرائیل کی خبریں ''وقت'' یہ پارٹی کے ہفتہ وار شمارہ میں لکھا ہے'' اسرائیل دراصل ریاستوں میں بھی ایک ریاست کیس ہے۔ تورات کی پیروی کرنے والی شریعت اسرائیلی قوم اور اسرائیلی ریاست کا قانونی دستور ہے''۔

''اس کا حوالہ آپ سے مانگتے ہیں''۔

''حوالہ؟ آپ نیٹ پر جائیں وہاں سے خود ہی مل جائے گا لیکن پھر مجھے یہ خبر دینا ہوگا کہ ''القدر کی دستور'' کا کیا مسئلہ ہے؟''

''وہ اخبارات یہ بھی کہہ رہے تھے کہ یروشلم فلسطین کی وراثت اور مسجد اقصیٰ کی تولیت

تھی۔ خلاصہ یہ کہ یہ جگہ یہودیوں نے تعمیر نہیں کی ان سے پہلے کی تعمیر تھی اور ان کے بعد اہل توحید کے عبدوں سے آباد ہے۔ یہود صرف اس عبادت گاہ پر دعویٰ کر سکتے ہیں جو پہلی مرتبہ انہوں نے خود تعمیر کی ہو، مسجد اقصیٰ پر ہرگز نہیں کر سکتے کہ یہ تو ابتدا سے یہودی عبادت گاہ تھی۔ یہودیوں سے ہزاروں سال پہلے سے چلی آرہی ہے اور ان کے بعد بھی "قیامت تک" عبادت گاہ اہل اسلام رہے گی"۔

"وہ یہ اصول بیان کر رہے تھے کہ ہر فرقے کی مرکزی عبادت گاہ اسی کو ملنے چاہیے"۔

"یہود اور اصول؟" اس اصول کا جواب دے چکا ہوں۔ یہود کو یہ جگہ ملنی ہی تھی تو اس وقت لے لیتے جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو نہ نصیب دعا کر ابھار رہے تھے کہ یہ ہے ساتھ چلو اور یہ عبادت گاہ چھڑا لو لیکن "ستائے" یہودی کہہ رہے تھے "تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔ اس وقت فلسطین کی راحت اور ذلت کی تولیت ان کو کیوں یاد نہ آئی تھی"۔

"اب انہوں نے آدھے سے زیادہ فلسطین پر قبضہ کر لیا تو یہ واپس تو جا نہیں گے نہیں۔ انہیں تسلیم تو کر لینا چاہیے"۔

"یہ قبضہ انہوں نے کیسے کیا۔ تورات کہتی ہے کہ قدرت انہیں یہاں ہانک کر لائی ہے تاکہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں ان کو آخری سزا دلائے۔ اب جو کوئی اس ناجائز قبضے کو تسلیم کرتا ہے وہ بھی اس سزا کا مستحق ہوگا جو ان کے لیے مقرر ہے"۔

"مولانا صاحب! آپ فلسطین کی بات یہاں بیٹھ کر کیوں کرتے رہتے ہیں؟"

"یہی بات میں ان ایمان فروشوں سے پوچھتا ہوں۔ وہ اسرائیل کی بات یہاں بیٹھ کر کیوں کرتے ہیں؟

اب اصل جواب سنیے۔ دنیا میں اس وقت جو بھی حالات ہیں یہ سب فلسطین میں ہونے والی "آخری جنگ عظیم" کا پیش خیمہ ہیں۔ اس کو ہر مجدد دن یا آرمیگاڈون بھی کہتے ہیں اور اس میں پاکستان و افغانستان کے مجاہدین کا عظیم حصہ ہوگا۔ زرقاوی عراق سے یہودی ایجنٹ کی خاطر شہید نہیں ہوا بلکہ اس نے مسجد اقصیٰ کے تحفظ کے لیے جان دی ہے۔ زرقاوی سے لے کر بہت تک کی

بہترین دوست بدترین دشمن

سے اس بات کے لیے کوشاں رہی ہے کہ اسے عالم اسلام میں ایسے حکمران میسر آ جائیں جو عوامی سطح پر مسلمانوں میں مقبول ہوں لیکن حب الوطنی اور ملی وفاداری سے عاری ہوں۔ بظاہر ملک و ملت کے خیر خواہ ہوں لیکن کریں وہ کچھ جو مغرب کے حق میں جاتا ہو۔ حماس کی شاندار کامیابی کے بعد اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے جابرانہ اور وحشیانہ سلوک پر پورے عالم اسلام کی خاموشی کی آپ اور کیا توجیہ کریں گے؟

یہاں پہنچ کر میں امت کے اہل علم و دانش سے عاجزانہ درخواست کروں گا کہ خدارا مغربی افکار و نظریات سے مغربی تہذیب و تمدن کو گہرائی سے سمجھیں۔ سرسری مطالعہ کر کے اس کے گرویدہ نہ ہو جائیں بلکہ اس کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کریں۔ الجزائر کے بعد فلسطین دوسری مثال ہے جہاں مغرب کی نام نہاد روایات کا دوغلا پن اور اخلاقی اصولوں کا کھوکھلا پن ہمارے سامنے آ رہا ہے لیکن ہم اس کی اخلاقیات اور اصول پسندی کے گن گائے نہیں تھکتے۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم نہ کرنے کا عذر امریکا کی ہیوی ویٹ وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ (جو لڈا میئر کے بعد یہ دوسری خاتون ہے جس کی یہودی کے لیے خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ادا نہیں ہو پائیں گی) نے یہ بیان دیا تھا کہ "امریکا ایسی حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتا جو جمہوری اصولوں کے بغیر قائم ہوئی ہو۔" یار لوگوں نے اس کو جمہوریت پسندی پر محمول کیا تھا۔ لیکن اب حماس کے اسی اصول پر حکومت حاصل کرنے کے بعد جمہوریت پسندی کیوں یاد نہیں رہی ہے؟ اس کا جواب اب یہ خاتون یا ان کا کوئی جانشین ہی دے سکے گا۔ اس کے لیے ہمیں مغرب کے طریق کار پر غور کرنا ہوگا۔ مضمون طویل ہو رہا ہے لیکن چند ایک باتیں خدارا غور سے سنیے!

عالم اسلام کی دشمنوں کو سرد کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کے لیے مغرب نے مختلف طرح کے حربے اپنا رکھے ہیں۔ مغربی ایشیا، مصر، الجزائر، تیونس، مراکش، انڈونیشیا کے حکمرانوں کی تدبیریں اس کی مثالیں ہیں، تاہم اسلام کو محدود کرنے کی ایک اہم کوشش وہ ہے جو وسطی ایشیا کے نو آزاد مسلم ملکوں ازبکستان، ترکمانستان، قازقستان، تاجکستان، کرغیزستان اور آذربائیجان میں یہودیوں اور سابق میونسٹوں کی مدد سے کی گئی تھی۔

[illegible] Nominal GDP [illegible] Nominal GDP [illegible] Marginal rate of substitution [illegible]

Marginalization [illegible]

[illegible]

مختلف قسم کی مدد دی جاتی تھی۔ ملک میں کئی رفاہی ادارے جو بین الاقوامی رفاہی ادارے کی ذیلی اداروں کی شاخیں تھیں کام کرتے تھے۔ بعض مغربی ادارے اپنے طور پر بھی مدد کیا کرتے تھے۔ لیکن انقلاب کے آتے ہی تمام ملکوں اور اداروں نے ہاتھ کھینچ لیے۔ ساری امداد بند کر دی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض عالمی اداروں اور ملکوں نے سوڈان پر پابندیاں لگانی شروع کر دیے۔ عالمی بینک World Bank نے شرح سود میں اضافہ کر دیا۔ عالمی مالی فنڈ IMF نے سوڈان کی رکنیت معطل کر دی۔ حد تو یہ ہے کہ مغربی ملکوں نے بعض امیر مسلم ملکوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ سوڈان کی مدد سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ نہایت تازک دنوں میں ایک نہایت امیر مسلم ملک نے سوڈان اور افغان مجاہدین کی امداد بند کر دی۔

مذکورہ تینوں طریقوں سے ہٹ کر ایک صورت Aggressive Neutralisation کہلاتی ہے۔ جس غیر معمولی طریقے سے باضابطہ حملہ آور ہو کر اسلامی نظام یا اسلامی ملکوں کی اس قوت کو ختم کر دیا جائے جو مستقبل قریب یا بعید میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلام کی راہ میں اور باطل سے مقابلہ آرائی میں سرگرم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

ایسی ہی ایک کوشش ۱۹۷۹ء میں اے گئے تاجکستان سے انقلاب کے خلاف کی گئی۔ تاجکستان میں جب انجنیئر نے اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے کمیونسٹ حکمرانوں کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا مگر یہودیوں اور سابق کمیونسٹوں نے نہ صرف یہ کہ کے جی بی K.G.B کی مدد سے اسلامی قوتوں کا تختہ پلٹ دیا بلکہ پورے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ہزاروں افراد شہید ہوئے اور کئی لاکھ کو افغانستان میں پناہ لینی پڑی۔

عالم اسلام کے پاس دنیا کے بہترین وسائل اور امکانات موجود ہیں۔ Geo Polines کے نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو وہ تمام نعمتیں دے دی ہیں کہ جن سے کوئی قوم سرفراز ہو سکتی ہے۔ شاید امت مسلمہ کو جو خیر امت کا درجہ دیا گیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ آخرت میں جو نعمات ان شاء اللہ ملیں گے وہ اس سے الگ ہیں۔ Geo Politics کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کئی امور اہم نظر آتے ہیں:

قیامت کے سائے

اور بالآخر اس قیامت نے اپنے سائے پھیلانے شروع کر دیے ہیں جو سرزمین شام پر ۱۹۴۷ء سے منڈلا رہی تھی۔ (شام کسی زمانے میں ان چار علاقوں کا نام ہوا کرتا تھا: شام، اُردن، لبنان اور فلسطین۔ احادیث مبارکہ میں جب اس علاقے کے متعلق کوئی پیش گوئی وارد ہو یا تاریخ کی کتابوں میں شام کا لفظ آئے تو اس سے ان چار ملکوں پر مشتمل پورا علاقہ مراد ہوتا ہے جو کسی وقت چار صوبے ہوا کرتے تھے۔ اسرائیل کے جنونی صیہونی حکمران بھی اس پورے علاقے کو اپنا وراثتی ملک سمجھتے ہیں اور شام و اُردن کے بیش پسند اور غیرت و حمیت سے محروم حکمران اپنی ذمہ داریوں سے جتنا بھی نظریں چرائیں اور چند دنوں تک جان بچے رہنے کے لیے جتنی بھی خوشامد کریں، یاد رکھیں کہ یہودی یہ ہاں گھر میں رکھ کر نہم عیسائی نہم یہودی نسل زیادہ دنوں تک نہ جنم دے سکیں گے، عنقریب صیہونیت کی خون آشام یلغار کا رُخ ان کی طرف ہونے والا ہے) اس قیامت کا آغاز درحقیقت آج سے ۷۰ سال قبل ۱۹۲۳ء میں اس وقت ہو گیا تھا جب ترکی میں Treaty of Versaille کے تحت خلافتِ عثمانیہ ختم کر کے جمہوریت قائم کر دی گئی تھی (جمہوریت کے ایجاد باطل ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ خلافت کے مقابلے میں وضع کی گئی ہے) اور خلافت کے زیرِ انتظام علاقوں پر لیگ آف نیشنز کے "انتداب" کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۹۰ء تک اُمت مسلمہ پر تین قیامتیں ٹوٹیں۔ ان میں سے ہر ایک قیامت دوسری کا راستہ ہموار کرتی رہی لیکن چونکہ اُمت کے مقتدر طبقے نے اس کا نوٹس نہ لیا بلکہ ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی تو ایک عادیہ غلطی کے بعد

جنگ سے نکلے ہوئے لاکھوں یہودی مہاجرین کو بسانے کے لیے تین خلیجی ممالک نے اپنے دروازے کھول دیے۔ ان میں سے دو ممالک میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے باقاعدہ آبادکاری کے ادارے قائم کیے گئے۔ تیسرے ملک میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے کوئی ادارہ قائم نہیں کیا گیا۔ اس ملک میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے کوئی ادارہ قائم نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس ملک کے حکمران نے یہودیوں کی آبادکاری کے لیے کوئی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ اس ملک کے حکمران کا خیال تھا کہ یہودی مہاجرین اس ملک میں آ کر خود ہی اپنی آبادکاری کا انتظام کر لیں گے۔ اس ملک کے حکمران کا خیال تھا کہ یہودی مہاجرین اس ملک میں آ کر خود ہی اپنی آبادکاری کا انتظام کر لیں گے۔ اس ملک کے حکمران کا خیال تھا کہ یہودی مہاجرین اس ملک میں آ کر خود ہی اپنی آبادکاری کا انتظام کر لیں گے۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت اس ملک میں یہودیوں کی تعداد صرف ۱۵۰ تھی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد اس ملک میں یہودیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

جو نہ اور مسلمانوں کی عادیہ بغاوت سے نجات حاصل ہوئی ہے۔

اس لالچی اور دنیا پرست "انگریز" نے اپنے قیام کے بعد اپنی قوت کو مستحکم کرنے کے ۱۹۲۷ء میں بیت المقدس پر اپنی قبضہ کر لیا اور مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ پر مشتمل حرم کا انتظام قائم کر لیا۔ یہ اسرائیل قیامت کا کتنا بڑا فتنہ ہوگا اس کی خبر حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث کی تشریح سے پہلے فرمائی۔

یہ حدیث صحیح پر تیسری قیامت اس وقت آئی جب چار سو ۱۹۵۰ء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سرزمین کے بیت المقدس پر "یہودی" دنیا کی طاقت کا قبضہ ہوا اور اسرائیل کی ریاست قائم ہوئی اور "یہودی" اور "عرب" کی یہ لڑائی جس میں کروڑوں کی تعداد میں آدمی جاں بحق ہو گئے۔ اس حدیث کے کہ رات دن قیامت آئے گی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے سمجھا کہ یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جو امت کو پیش آئے گا۔ یہود و نصاریٰ کو یہاں آنے کی اجازت دے کر ۱۹۶۷ء کے بعد حضور اللہ علیہ وسلم نے اس پیشانی کی تکمیل کی اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزید آگے بڑھایا اور اسے کامل کر دیا تھا اور اس پیشانی کو پورا کرنے اور قائم کرنے کی قیامت تک امت مسلمہ کو ذمہ داری ہے۔ اس پیشانی کو توڑنے کی اور اسے نیست و نابود کرنے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ہے۔ اس ذمہ داری سے کوئی مسلمان بچ نہیں سکتا۔ اس پیشانی کی ایک شکل "افغانستان" کی صورت میں "یہود و نصاریٰ کی زیر قیادت "امریکہ" کی زیر قیادت "عرب" کے کل ۴۰ ممالک نے ۱۹۹۰ء میں اس پیشانی کو توڑنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے دنیا کی سپر طاقت "روس" کو شکست دے کر ختم کر دیا۔ اب یہ پیشانی افغانستان اور فلسطین میں دنیا کی سپر طاقت "امریکہ" کو ختم کر رہی ہے۔ اس پیشانی کے قیام میں مخلص مسلمانوں کی محنت سب سے زیادہ اور نمایاں ہے۔ اسے اپنے نسب میں تبدیلی کا اعلان کرنے اور اس کے وقت میں دین کا ایک اور ستون گرا دیتے اس اعلان نے مطابق دوبارہ آیت اور حدیث کے نسب سے تبدیلی کی جا رہی ہے جس میں اوپر کی ذمہ داری کی حدیث شریف کا اضافہ ہے یہود و نصاریٰ سے خلافت کی مسند کا چھن جانا۔

دنیا کے موجودہ حالات کے بدلنے کے بعد دنیا کی سپر طاقت امریکہ کی فوجیں عراق میں داخل

ستم گروں کو کون سمجھائے؟

اسکول سے واپسی کے بعد دنیا میں اس کا ایک ہی شوق تھا۔ وہ بستہ رکھ کر کھانا کھاتا، آرام کرتا اور پھر کود پھاند کر قریبی اُجاڑ مکان کے پچھواڑے چل دیتا۔ یہاں دنیا کا واحد شوق اس کا انتظار ہوتا۔

اس نے چھوٹے سے باغیچے میں کئی طرح کی کیاریاں بنا رکھی تھیں اور اب باہر کو شش کی تھی کہ مقامی طور پر دستیاب تمام پودے اس کی "نرسری" میں موجود ہوں۔ وہ بھی جو اس نے دوستوں سے تبادلے میں حاصل کیے اور وہ بھی جو اس نے پھولوں کی نمائش سے خریدے اگرچہ اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے کئی دن والدین کو منانے میں لگ گئے تھے۔

اس کی کل کائنات یہ باغیچہ تھا۔ جنوبی لبنان کے سرحدی قصبے کی زرخیز زمین میں قائم یہ باغیچہ قسم قسم پھولوں اور پودوں سے اٹا ہوا تھا۔ حسن ترتیب اور حسن ترکیب کی اعلیٰ کوششوں پر مشتمل اس نمونہ کو جو بھی دیکھتا، بشام العدوی نامی اس بچے کی محنت کی داد دیے بغیر نہ رہتا۔

اس کے والدین اور اساتذہ بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اس محنت مند مزدوری کی راہ میں آڑے نہ آتے تھے.... اور پھر وہ خونیں دن آ گیا جب اس معصوم بچے نے گھریلو بکھار بندوق اٹھالی اور پھولوں کی کیاریاں بچانے کی بجائے آگ اور شعلوں سے کھیلنے کا مشغلہ اپنا لیا۔

ہوا یوں کہ بشام ایک دن بیمار تھا، وہ اسکول نہ جا سکا۔ اگلے دن اس کو بخار نے ایسا نڈھال کیا کہ وہ بستر سے لگ کر رہ گیا۔ اس نے کوشش کی کہ باغیچے سے ایک مرتبہ ہو آئے لیکن اس کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ بادل نخواستہ کوشش کے بس سے اٹھا نہ گیا۔

اس کا غم تھا کہ پودے اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ پھول اس سے سرگوشیاں کرنے کو

دانوں جو ان کی نے ان کی۔

۔۔۔ دنگا ف حالت میں ہوا ہے رہے تھے ان کی یہ تکلیف دہ حالت دیکھ کر ان کے بیٹے ت
ش ے ان کی میں پیوست ہوئی چوری تھی۔ ہے انھوں نے ان کی تکلیف کی تاب نہ لا کر انھیں
ظلام کی گہری چادر تھی ہوئی تھیں وہ ان کی دوں "بیٹا اتنے نے ان کو شاق ہوا ہے میں
ہاتھ کی تھی ہی ہے ظلام بیٹے میں کو دی خدا حافظ"

ش ر ن میں تھی ہوئی تھی ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ تھی ان دن دیوہ ہے اپنی ہر
ے کی ہوا آئے تھی ہیا ان کی آنکھوں میں اپنے خون ز ا ر و ا نظام کے ۔۔۔ ہے ہیں
ہیا ان کے ۔۔۔ ش ۔۔۔ ہے تھے ان ۔۔۔ ے ۔۔۔ ہے اپنے ہی ہے ا ر ہی تھی۔

"ا ظ م ر ا ق ۔۔۔"

ہ ن ہیں ہوا ظ م ے ن ہ ر ہیں ہوا ہے۔

ہ ن ہی ہ ش ہ ہے ہیں ا ہے۔

ان کے ۔۔۔ ہیں ہوا ظ م نے ظ ن ان ہے ہیں ان ہیں ہے ظ م ہی ہوا ہے۔

ہ ا ہاں ہیں ہیں ہوا ظ م ے ہے ہوا ہے۔

ان ہیں ہیں ہے ا ہ ہ ر ہیں اور ہ ر ن ہ ظ م ہ ہیں ہیں ہ ہیں ہی ہ
ظ ہ ہے۔

ان ہ ر ے ہ ہیں ہوا ظ م ہ ہیں ہے ہ ہ ہ ہیں ا پ ے ہ ہیں ہ ہ ہ ان ہے
ا ہ ہیں ہ ہ ہی ہ ہ ہ

محترم شخصیات اور مقدس مقامات کی توہین نہ کریں۔

ورنہ ..

تم دہشت گردی، دہشت گردی پکارتے رہ جاؤ گے اور....

ایک کے بعد ایک نامور دہشت گرد پیدا ہوتا رہے گا۔

زرقاوی، شامل، وار اللہ اور عدوی جنم لیتے رہیں گے۔

اور غیرت و وفا کی تاریخ رقم کرتے امر ہوتے جائیں گے۔

آخری واپسی

باحیات رہنے پر یقین رکھتے ہیں۔

۴ دجال کون ہے؟ پہلے پہل کون سے خطے پر نمودار ہوگا؟

۵ ایک اور بات یہ ہے کہ فزکس کے استاد نے جب ہمیں آئن اسٹائن (جو کہ مذہبی لحاظ سے یہودی تھا) کے Special Theory of Relativity کے بارے میں بتایا کہ اس کا منبع شب معراج کا واقعہ ہے اور مزید استاد نے بتایا کہ آئن اسٹائن نے کہا کوئی بھی مادی چیز Velocity of light (روشنی کی رفتار) سے تیز حرکت نہیں کر سکتی اور بقول استاد ہمارے علمائے کرام یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روشنی کی رفتار سے بھی تیز اٹھ کر چلے گئے تھے تو یہ کیا معمہ ہے؟ اس سلسلے میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

والسلام

فخر الاسلام سرور النوری خٹک

جواب:

۱۔۔۔ یوں کہیے کہ ان پر یہ وہم اور فاسد خیال کس طرح مسلط ہوا کہ اتنا بڑا کارنامہ کرنے کے باوجود خود کو القدس جیسی مقدس سرزمین کا وارث سمجھتے ہیں؟ ہوا یوں کہ ان کے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں بسایا مگر انہوں نے اللہ کے گھر کو بھلا دیا۔ اس کی سزا میں ان پر ایک عراقی بادشاہ بخت نصر کو مسلط کیا گیا اس نے ان کو بری طرح پامال کیا اور ذلت کی غلامی میں کر ساتھ عراق لے گیا۔ کافی عرصہ رونے دھونے اور توبہ تائب کے بعد جب اس کی غلامی سے آزاد کروا کر واپس پہنچے تو کچھ عرصہ بعد پھر پرانی عادتیں لوٹ کر آگئیں اور سود، زنا، شراب، جوا، موسیقی جیسی حرکتوں میں گردن گردن دھنس گئے۔ ان نے ایمان کو بھلائے رکھا مگر یہ مست سانڈ کی طرح گناہوں کی لذت میں ڈوب کر ان کی بے اولی اور نافرمانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کم بختوں نے ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی گناہوں پر ٹوکنے کی بنا پر پھانسی دینے کا منصوبہ بنایا اور اپنے تئیں وہ بھی ذلالت کی موت مرے اس خبیث عادت پر ختم ہونے کی بجائے جشن بھی مناتے رہے۔ لہٰذا جب یہ نافرمان ہوئے تو

ہے لیکن دنیا پر حکمران نے ان کی بات نہ مانی جیسا کہ آج کل سعودی عرب میں تیل سے تیر بہدف کے زمینی مالکان کیلئے ہو رہا ہے اور جیسے کہ عثمانی خلافت میں متولی لوٹ آگا خان کو زمینیں پہنچنے سے روک نہیں سکے (اور اب بڑا کیں بھی تو کیا)؟ آخر کار ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ نے فلسطین کو مسلمانوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا نادر شاہی فیصلہ صادر کر دیا۔ اس فیصلے کے حق میں صرف تین ووٹ آئے تھے۔ اکثریت پیدا کرنے کے لیے مزید تین ووٹ درکار تھے جو ہیتی، فلپائن اور لائبیریا جیسے غلاموں پر دباؤ ڈال کر حاصل کیے گئے۔ اس جانبدارانہ تقسیم کی رو سے فلسطین کا ۵۵ فی صد رقبہ صرف ۳۳ فی صد یہودیوں کو اور بقیہ ۴۵ فی صد رقبہ ۶۷ فی صد مسلمانوں کو دیا گیا حالانکہ اس وقت فلسطین کی زمین کا صرف ۶ فی صد حصہ یہودیوں کے قبضے میں تھا اور ان کا حقیقی تناسب ۳۳ فی صد بھی ہرگز نہ تھا۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف!!! اور یہ تھا یہودیوں کا "قومی وطن سے قومی ریاست تک" کا سفر۔ اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہودی طرز ان لوگوں کا انجام بھی انسانی عبرت ناک ہوتا ہے اور اس نظم و نسق پر بھی یہود کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ جب یہودی یہاں قبضہ کرکے آباد ہوتے تو یہ غلاموں پر ٹوٹے تھے اب تو وہ دہشت گرد اور ظلم کے امین ہوتے پر آئے ہیں اور ہر وقت یہاں اندھیر مچائے رکھتے ہیں تو کس طرح بخشے جا سکتے ہیں؟؟؟

جب ان کی حیثیت مستحکم ہوگئی اور انہوں نے فلسطین کی قابل ذکر زمین پر قبضہ کر لیا تو ۱۹۶۸ء میں اپنے مستقل ملک اسرائیل کا اعلان کر دیا۔ یہ ملک روئے زمین پر دنیا کی واحد مملکت قائم کیے جانے کی پہلی بنیاد تھا جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ اسے فلسطینیوں اور عربوں کا مسئلہ سمجھتے رہے۔ یہودی فقیہ حاشیہ نشین مرغزار پیش قدمی جاری رکھی۔ یہاں تک کہ وہ بڑھتے بڑھتے اور پھیلتے پھیلتے فلسطین کے دارالحکومت القدس تک جا پہنچے۔ جہاں مسجد اقصیٰ ہے اور جس کی مسجد کے تحفظ کی خاطر مقدس چٹان ہے جس نے اپنی پیٹھ پر ان کو سہارا دیا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق اس چٹان کے نیچے توراۃ کی تختیاں اور تابوت سکینہ دفن ہے جس میں انبیائے بنی اسرائیل کے نوادرات ہیں۔ اگر یہ نوادرات وہاں ہوں بھی تو ان کے وارث مسلمان ہیں اس لیے کہ وہ ان نبیوں پر اگر یہ وہ ہمارے پہلے ہے

مغربی ممالک پورے فلسطین پر اسرائیل کا قبضہ چاہتے ہیں

گفتگو: سید محمد مقسم، خطیب جامع مسجد اقصیٰ
اداریہ مشق: ابو یوسف شاہ منصور

سوال: یہ بتائیے کہ فلسطینی قوم مسجد اقصیٰ کے لیے کب سے اور کیا کچھ قربانیاں دے رہی ہے؟ مسجد اقصیٰ کو فلسطینی عوام کے جذبات سے کیا تعلق ہے؟

پوری فلسطینی قوم مسجد اقصیٰ کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی اپنے آپ کو مسجد اقصیٰ کا محافظ سمجھتا ہے۔ ہر فلسطینی کا دل مسجد اقصیٰ کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ ہر فلسطینی اپنے آپ کو مسجد اقصیٰ کا خادم سمجھتا ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا خون بہانے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا گھر بار چھوڑنے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا مال و دولت لٹانے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ ہر فلسطینی مسجد اقصیٰ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔

سوال: مسجد اقصیٰ کی تاریخ کیا ہے؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کب ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس نے کی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس زمانے میں ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس طرح ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس مقصد کے لیے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس جگہ پر ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کی ہے؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے پتھروں سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے مصالحے سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے اوزاروں سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے مزدوروں سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے معماروں سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے انجینئروں سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے آرکیٹیکٹ سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ڈیزائن سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے نقشے سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے منصوبے سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے بجٹ سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے فنڈ سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے چندے سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے عطیات سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے تحائف سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے نذرانے سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے صدقات سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے خیرات سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے زکوٰۃ سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے عشر سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے خمس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے فدیہ سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے کفارہ سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے جرمانے سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ٹیکس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے محصول سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ڈیوٹی سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے کسٹم سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ایکسائز سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے سیلز ٹیکس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے انکم ٹیکس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ویلتھ ٹیکس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے پراپرٹی ٹیکس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ایجوکیشن سیس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ہائر ایجوکیشن سیس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ایجوکیشن سیس سے ہوئی؟ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کس قسم کے ہائر ایجوکیشن سیس سے ہوئی؟

کے بعد ۱۵ ہجری میں اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد سے مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے زیر قبضہ آ گئی اور مسلمان مسجد اقصیٰ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

مسجد اقصیٰ کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلسطین کے مسلمانوں کو جو ہدایات دی تھیں ان کے مطابق مسجد اقصیٰ اور اس کے آس پاس کے علاقے میں داخلے پر یہودیوں کا کامل

اور مکمل بند تھا۔ مسجد اقصیٰ پر قبضہ کرنے والے تھے۔ ان کے لیے اس مقدس سرزمین پر کوئی حصہ مختص نہ تھا۔ ان کو چاہیے کہ اپنے ملک کی طرف لوٹ جائیں۔

۲۔ یہ علاقہ ان کے لیے ممنوعہ علاقہ ہے۔

۳۔ یہ یہودیوں کا داخلہ ممنوع ہے۔

اور اسی طرح کوئی یہودی مقدس علاقے میں معمولی طور پر بھی اس کے بعد کبھی داخل نہ ہوا۔ مسلمان اس علاقے کے تقدس کی حفاظت کرتے رہے۔

تقریباً ستر سال گزرنے کے بعد خلیفہ ولید نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو کی اور وہاں پر تعمیر و توسیع کی جو تصویر آپ کے سامنے ہے۔ یہ مکمل وہاں پر مستطیل شکل کی ایک عظیم چٹان ہے جو کہ زمین سے ایک میٹر اونچی ہے اور ۱۳۵ x ۱۱۳ میٹر اس کا رقبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں یہاں پر قربانیوں کا ذبح ہونا اور لوگوں کا یہاں پر عبادت کے لیے آنا ثابت ہے۔ اس پر مسلمانوں نے ایک عظیم تعمیر بنائی ہے جو آپ کے لیے بہت سے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔

پھر صلیبی کفار پر چڑھائی کرنے والے مسلمانوں نے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور مسجد اقصیٰ نے اندر مسلمانوں کے ساتھ بڑا ہی ہولناک سلوک ہوا کہ اس میں ستر ہزار انسان ذبح کیے گئے جنہیں صلیبیوں نے مسلمان اور مسجد اقصیٰ سے بچنے کے لیے وہاں پر پناہ دی تھی۔

پھر زمانے نے پلٹا کھایا اور مسلمانوں نے صلیبیوں کو وہاں سے نکال دیا اور ان کو ان کی کی قیادت میں مار بھگایا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بڑی مدت تک القدس کی حفاظت کی۔ یہاں تک

حدود ہی میں رہیں اور اسرائیل کے متعلق قرار دادوں کو واقعی حقیقی اور عملی جامہ پہنایا گیا، بالکل جو کچھ مقبوضہ میں ہو رہا ہے کچھ فلسطین میں ہوتا۔

عرب دنیا کی مذمت کے ساتھ، یہ جو دو ٹکڑوں پر اب تک صیہونی قبضہ نہیں ہوا کیا وہ اس پر قبضہ کرنے کے لیے اور سرے سے ان علاقوں پر قبضہ کرنا ہی نہیں چاہتے؟

شیخ عصام: حقیقت تو یہ ہے کہ مغربی دنیا کے یہودیوں کو پورے فلسطین پر قبضہ کرنا پسند تھے ۱۹۴۸ء میں اس سے انہوں نے پیش قدمی روکی لیکن یہ ٹکڑے چھوڑ دیے جن میں سے غزہ میں ایک ملین فلسطینی جمع تھے (جبکہ رقبہ صرف ۳۶۰ مربع کلومیٹر ہے) پس اگر وہ غزہ پر قبضہ کرتے بھی تو خاص استفادہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہاں کی آبادی پہلے سے زیادہ تھی۔ دوسرا ٹکڑا مغربی کنارہ ہے جو کہ خالصتاً ایک پہاڑی علاقہ ہے، وہاں پر بھی ایک ملین فلسطینی آباد تھے لیکن ۱۹۹۸ میں یہود نے ان دو علاقوں پر بھی قبضہ کیا اور وہاں سے اردنی اور مصری فوجیوں کو بھگا یا اور ان دونوں علاقوں کی حفاظت پر مامور تھے اس وقت سے لیکر ۱۹۴۸ء سے فلسطینی قوم اس انتظار میں ہے کہ کوئی ان کو انصاف دلائے لیکن اب تک نہ عرب ممالک میں سے کسی نے اور نہ اقوام متحدہ نے ان کو یہ حق حاصل کرنے میں مدد دی۔ آخر کار یہ قوم پھٹ پڑی اور تحریک انتفاضہ کو عملی شکل دے دی جس میں سے ۱۹۸۷ء میں پہلی انتفاضہ ہے جو سات سال تک جاری رہی، ان سات سال میں فلسطینیوں نے یہودیوں کو نہ تو کہیں جانے دیا، یہاں تک کہ امریکہ اس بات کے لیے مجبور ہوا، وہ عرب ممالک پر ایک سیاسی حل نکالنے کے لیے دباؤ ڈالے۔ اس بہانے سے یہ کوشش فلسطینی قوم سے معاملات کرنے کی اور ان کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کی۔

اس سیاسی حل کا نام ۱۹۹۳ء کا اوسلو کا معاہدہ ہے حقیقت یہ تھی کہ کیا وہ واقعتاً فلسطینیوں کو ان کا اور ان کو اپنے حقوق دلانے کے لیے بنایا گیا تھا؟ نہیں! بلکہ وہ در اصل یہودیوں کو فلسطینیوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس اجلاس میں انہوں نے یہ قرارداد پاس کی کہ فلسطینیوں کو کچھ نہ کچھ دیا جائے گا اور ان کے لیے کچھ نہ کچھ قرار داد پاس ہو جائیں گے۔ لیکن یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ یہ فلسطینی حکومت اور یہ فلسطینی قانون نافذ کرنے والا

دنیا میں آیا۔ امریکا نے اب تک مسلمانوں کے خلاف جتنے محاذ کھولے ہیں ان میں اس کی ہار ہوئی ہے۔ امریکا کی شکست پہلے ہی سے امریکا کے دانش ور پڑھ رہے تھے۔ عراق کی تو خیر جنگ تھی، اس سے پہلے انھوں نے دیکھا کہ عرب قوموں نے کبھی بڑا اجتماعی مقابلہ کرنا نہیں سیکھا ہے۔ وہ قبیلوں اور خاندانوں کی بنیاد پر لڑتی ہیں۔ کبھی کبھی عرب قوم بھی ابھرتی ہے اور وہ بھی اسلام اور اپنے مسلمان بھائیوں کی پکار پر۔ جب سے امریکا اور مغرب کے سامنے متحد ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ سب سے بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ اس کے پہلوان اس میں سے ایک ہوتے ہیں۔ اس نکتے نے اسامہ بن لادن کا دل موہ لیا۔ وہ اپنے گھریلو اور قبائلی معاملات چھوڑ کر اسے اور اس کے ساتھیوں کو یہ عرب رہنما امریکا کے ارد گرد پھیکا پڑتے تھے۔ اب چونکہ امریکا اور اس کے ایک ہونے والے ان کو مرکزی شکار کی حیثیت سے نشانہ بنا چکا تھا اب صرف شکار ہونا باقی تھا۔ لیکن اس قبائلی علاقے میں ایک بہت اثر انگیز پیغام جا رہا تھا اور وہ یہ کہ امریکی جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ مسلمانوں پر قہقہے لگاتے ہوئے بمباری کرتے جا رہے تھے۔ پہلے فلسطین پھر افغانستان اور عراق کے بعد ایران اور شام اور پھر سارے مسلمان ان کی زد میں تھے۔ لیکن افغانستان اور عراق میں امریکی اپنے پھنسے کہ اب ان کے لیے آگے بڑھنا دشوار ہو گیا۔ اب یہ ان دشمنوں کی باری تھی جو ہوا میں اڑتے ہوئے ان کے ٹینک گرا رہے تھے۔

عرب علاقوں میں مسلمانوں کی رگوں میں فلسطینیوں کی ظاہر خون جوش مار رہا ہے اور مسلمان نوجوان فلسطینی قضیے کو اپنی ذمے داری سمجھ رہے ہیں چونکہ فلسطین مسلمانوں کے عقیدے کا ایک اٹوٹ انگ ہے اس لیے مسلمان اسے یہودیوں کا صرف ٹیرٹوریل قبضہ نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اس کو عقیدہ اور اسلام کے خلاف ناقابل معافی جرم بھی سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں آپ فلسطینی قضیے کو کیا حیثیت دیتے ہیں؟ ان مسلمانوں کے لیے کیا نصیحت کرتے ہیں؟ اور ان کی رہنمائی کس طرح عمل کی طرف کرتے ہیں؟ تاکہ وہ مکمل اور یقینی طریقے سے فلسطین کی آزادی کے لیے کام کر سکیں۔

شیخ عصام سب سے پہلے ہمیں فلسطینی اتھارٹی کے ان تجربوں سے جو اسلامی

غیر اسلامی ممالک میں مقیم ہیں بھرپور احتجاج کرتا ہوں کہ وہ ان ممالک میں کرتے کیا ہیں؟ فلسطینی سفیر پاکستان میں کون سے فرائض انجام دے رہے ہیں؟ وہ فلسطینی مسئلہ میں فلسطینیوں کی حمایت کے لیے کیوں جلسے منعقد نہیں کرتے؟ ان کی افتادِ طبع خائن اور غدار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی خائن اور غدار ہوں گے۔ ان کے لیے فلسطینی مسئلہ کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔ ان کا سروکار ان چیزوں سے ہے جو فلسطینی قوم کے لیے مہلک ہوتی ہیں۔ ان کا مقصد تو بنا پیٹ بھرنا ہے۔ بھارت میں فلسطینی سفیر اسرائیل کے مفادات کے لیے کام کرتا ہے اور ہندوؤں پر دباؤ ڈالتا رہتا ہے کہ وہ اسرائیل سے اچھے تعلقات استوار کریں۔ باقی عرب ممالک میں جو فلسطینی غیر مقیم ہیں وہ بھی اپنے ملک کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ ان کو تو یہ چاہیے تھا کہ ہر فلسطینی سفیر روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار بیان دیتا اور ان بیانات میں اپنی قوم کے حقوق اور جہاد کے بارے میں مسلمانوں کو آگاہ کرتا۔ ایک سفیر کے لیے یہ کام بہت کٹھن اور مشکل ہے۔ لیکن مسلمان نوجوانوں کے لیے یہ کام آسان ہے۔ وہ اس جہاد میں بآسانی حصہ لے سکتے ہیں۔ مجاہدین کی خبریں نشر کرنا جہاد ہے اور پاکستانی قوم کے ایٹمی ہتھیار اور اسلامی وحدت فلسطینی مجاہدین کے لیے ایک سپورٹ دینے والی طاقت کی حیثیت رکھتی ہے اور پاکستانیوں کا یہ لاقانونی کا تماشوں اور اجلاسوں میں فلسطینیوں کا ساتھ دینا بھی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتا اور ان کی ہمت بڑھاتا ہے۔

وہ نوجوان جن کی رگوں میں گرم خون دوڑنے لگا ہے فلسطین کی محبت در جہاد سے لگاؤ کی وجہ سے ان سے میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ ہمارے درمیان غداروں کی بُو کو ختم کر دے اور ان کو یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ فلسطینی آخری سانس تک لڑتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اس جہاد کو دوام دینا چاہتی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ پیدا ہونے والے بچے فلسطین میں پیدا ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نہیں مجاہدین کا عوض اور بدل دینا چاہتا ہے اور وہ فلسطینیوں سے اس وجہ پر راضی ہے۔

آخر میں "ضربِ مومن" اخبار کے اور روئی فلسطینی مسئلہ کو اجاگر کرنے کی کوششوں کو سراہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نئی صدی میں عالم اسلام کو درپیش چیلنج

چاہیے۔ تیسری صدی میں عالم اسلام کو جو خطرات درپیش ہیں ان میں سرفہرست درج ذیل چیزیں ہیں:

جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان اور قیامت کے دن کی جواب دہی پر یقین رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے بقدر ان خطرات سے نبرد آزما ہونے میں حصہ لے۔

۱- احیائے خلافت:

سب سے پہلی ذمہ داری جس کو پورا کیے بغیر مسلمان بے آسرا یتیم کی طرح ہیں، نظام خلافت کا قیام استحکام ہے۔ خلافت کے ادارے سے محروم ہونے کے بعد ہر ریاست کی حالت کٹی پتنگ کی طرح ہے جس پر جھپٹنا ہر لوٹی اپنا حق سمجھتا ہے۔ یہ ادارہ مسلمانوں کی مرکزیت کا نشان، ان کی اجتماعی وفاقی قوت کی علامت اور ہر ہر ان سرپرست کی طرح تھا۔ نظر خصوصاً یہود کی ہیم مازشوں سے اس نگہبان اور سرپرست کے ختم ہونے کے بعد دنیا بھر میں بکھرے ہوئے مسلمان ان بے سہارا فتیدوں کی طرح ہیں جنہیں قدرت کی آزمائش نے کسی جنگل کے درندوں پر ساقط کیا ہو یا کسی تند خو گراں کی سرپرستی میں دے دیا ہو۔ دنیا بھر اس وقت ہر قوم، ملت، ہر مذہب و نظریے سے وابستہ شخص کے حق میں کوئی نہ کوئی آواز اٹھانے والا ہے لیکن یتیم مسلمان ہیں جن کے سر پر کوئی ہاتھ رکھنے والا نہیں، جن کے درد کا کوئی مداوا کرنے والا اور جن پر ہوتے ظلم کو کچلنے کی غیرت دکھانے والا نہیں۔ اس لیے کہ ان کے سر سے خلافت کا سائبان اور سپر اٹھ گئی کا مہرہ ساڑھے تین سو سال قبل سپین کی تیسری دہائی (۱۴۹۲ء) میں چھین لیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے مسلمان بچہ عالم شیر خوار کے ان بچوں کی طرح ہیں جو اندھیری رات میں ماں سے بچھڑ کر درندوں سے بھرے جنگل میں گم ہو گئے ہوں۔ اے قابل فخر اسلاف کے زندہ دل نام لیوا! سلور ہا بارہ زندہ کرنے اور اپنے اسلاف کے ان محافظ کو پھر سے زندہ بخشنے کی فکر کرو۔ سلامت اسلامیہ کی تین واجب الاحترام کے بے نام کر، اعزت و حرمت رفتہ دوبارہ دیے جائیں گے۔

۲- نظام قضا کا اجراء:

خلافت کے ادارے سے محروم ہونے کے جس اور بہت سے نقصان ہوئے وہاں سب سے بڑی آفت یہ ہوئی کہ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کی جگہ انسانوں کے بنائے ہوئے

[illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں [

حیلے اور انتہائی منگاؤ اللہ سازش کے تحت ہمارے مقدس مقامات میں بھی ہماری سادہ لوحی کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں۔ یہ ایک ایسی اور اتنی المناک داستان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے بعد اختلاف کوئی اور سانحہ رونما نہیں ہوا۔ یہ مبالغہ اس بات کا نہیں کہ ثانوی نے اس میں کمی کر دی ہے بلکہ ثانوی اس پر ہے کہ اہل مت اس مقدس ذات سے بے خبر ہیں۔ جانے والے لطف کا اندازہ نہ کر کے پکار رہے ہیں کہ اب کا شہر تو بہت آسیچھے ہے لیکن فرزندانِ اسلام ان کے دیوانے پن کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ۔

ہائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اگر مسجد کے نمازیوں کو جھنگ پنجاب کی مسجد کے قبلہ کی سمت کچھ منحرف ہے تو آلہ پر اس کا انحراف اتنا نہ ہو کہ نماز کی صحت پر اثر ڈالے لیکن کچھ نمازی نماز خراب ہونے کے وسوسے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ہیں حال یہ ہے کہ جدید اللہ مسجد نبوی، انجمن اسلام اور پوری دنیا پر ایک مقصد ہے کی تحت، خاصی رقم کے ساتھ مکمل تیاری کر کے بنوہ دنیا کی مالی قوتیں اپنا اثاثہ حاصل کرنے کے آخری مرحلے تک پہنچ گئی ہیں اور ہم اب مسلمان ان کو اپنا محافظ اور اپنی خواہ اور مدد سمجھے بیٹھے ہیں۔

مسلمان کس طرح اپنے ان مقدس اور متبرک ترین مقامات کا تحفظ کرتے ہیں اور کب ہندوستان کے علماء نبی وسنت نبوی کو صحیح تر کرنے کے لیے بھیجے ہیں نما محافظوں کو زیارتِ حرمین کے لیے بھیجتے ہیں۔ یہ تیرھویں صدی ہجری کا واقعہ ہے جو مختصر سے اپنی تمام تر شدت کے ساتھ عالم اسلام کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔ اب یہ کے پاس اس حرم کے تقدس کی حفاظت کا ذمہ کیا تھا اس کے لیے کوئی تیاری کی ہے؟ اپنے معزز کے لیے کوئی سامان کیا ہے اس کی گہری میں تھے بغیر اب کوئی چارہ نہیں رہا۔

۴ بیت المقدس اور بابری مسجد کی نگہداری:

قدس کی مسجد قبلہ کا حکم ابھی منسوخ ہوا تھا کہ بیت المقدس کے ہاتھ سے جانے کا صدمہ امت مسلمہ کو برداشت کرنا پڑا۔ اور بیت المقدس کا صدمہ ابھی تازہ ہوا تھا کہ بابری مسجد

کے مشکل سے واقعی ہیں۔ یہ بھی ان کی ذہانت کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں کسی سے ہاں کے پیدا ہوں تک ہو رہے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی ایسا مذہب پیدا نہیں ہوا جو اپنے مخالفوں کی جان کا دشمن ہو۔ اس لئے ان کی تاریخ میں کبھی مذہبی جنگیں نہیں ہوئیں۔ ان کے ہاں ہر شخص کو اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے۔ ان کے ہاں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے روکتا ہو۔ ان کے ہاں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے روکتا ہو۔ ان کے ہاں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے روکتا ہو۔

ہندوستان کے مسلمان

ہندوستان کا مسلمان صدیوں سے ہندو کے ساتھ رہتا ہے۔ ان کے درمیان بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ ان کی زبان ایک ہے۔ ان کا لباس ایک ہے۔ ان کی خوراک ایک ہے۔ ان کی رہائش ایک ہے۔ ان کی تاریخ ایک ہے۔ ان کی ثقافت ایک ہے۔ ان کی روایات ایک ہیں۔ ان کی عادات ایک ہیں۔ ان کی زندگی ایک ہے۔ ان کی موت ایک ہے۔ ان کی قبر ایک ہے۔ ان کی جنت ایک ہے۔ ان کی دوزخ ایک ہے۔ ان کی عبادت ایک ہے۔ ان کی دعا ایک ہے۔ ان کی نماز ایک ہے۔ ان کی روزہ ایک ہے۔ ان کی زکوٰۃ ایک ہے۔ ان کی حج ایک ہے۔ ان کی قربانی ایک ہے۔ ان کی عید ایک ہے۔ ان کی شب برات ایک ہے۔ ان کی شب قدر ایک ہے۔ ان کی شب معراج ایک ہے۔ ان کی شب براءت ایک ہے۔ ان کی شب قدر ایک ہے۔ ان کی شب معراج ایک ہے۔ ان کی شب براءت ایک ہے۔

صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

زمیں حیران ہے ساکت آسمان ہے — فضاؤں سے ابھی تاریکی عیاں ہے
تاسف کا شجر کا سماں ہے — سراپا مسجد اقصیٰ فغاں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

جسے خیبر سے دھتکارا وہی ہے — یہی ہے دشمن مسلم یہی ہے
متاع دین و ایماں لٹ رہی ہے — مگر غافل حرم کا پاسباں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

ہے موقع داغ عصیاں کو دھولو — اگر چہ کرو ہی ہو حق بات بولو
مسلمانو! ذرا آنکھیں کھولو — سنو! القدس سے تم کو اذاں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

بہت دشوار امت پہ گھڑی ہے — تباہی اس کے دروازے کھڑی ہے
حکمرانوں کو سیاست کی پڑی ہے — مگن کھیلوں میں نوجوانوں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

عرب کے پاس دولت کا ذخیرہ — عجم کے پاس ایٹم بم کا ہیرہ
یہی کیا اس حق کا ہے وطیرہ — زباں رکھتے ہوئے بھی بے زباں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

شہیدوں پر مظالم ڈھا رہا ہے — یہودی بزدلی دکھلا رہا ہے
یہ گیدڑ شیر کی سمت آرہا ہے — خود اپنی موت کی جانب رواں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

فقط باتوں کا کوئی پھل نہیں ہے — اثرؔ یہ مسئلے کا حل نہیں ہے
مسلمانوں کی جیبیں پر نہیں ہے — یہ کیا ناراقبؔ سود و زیاں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

شاہین اقبال اثرؔ

اے ارضِ فلسطین

فلسطینی مسلمانوں کا جنگی ترانہ

سنخوض المعارک کالاسود
ہم جنگ کے شیروں کی طرح میدان میں اترتے ہیں

ونعشق الموت کما یعشق الیهود الحیاة
اور موت کو ایسا چاہتے ہیں جیسا یہود زندگی کو چاہتے ہیں

ونقاتل بشجاعة لا نظیر لها
اور ایسی بہادری سے لڑتے ہیں جس کی کوئی مثال نہیں

فی سبیل الله والوطن
اللہ اور وطن کی راہ میں

سنحرر ارض الاجداد
ہم اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین کو آزاد کرائیں گے

من دنس الصهاینة
صیہونیوں کی نجاست سے

ونعلن للعالم اجمع
اور اعلان کرتے ہیں دنیا بھر کے

ان فلسطین عربیة
کہ فلسطین عربی ہے

من نهرها الی بحرها
دریا سے سمندر تک

ومن شمالها الی جنوبها
اور شمال سے جنوب تک

فلسطین عربیة رغم انف الصهاینة
فلسطین عربی ہے صیہونیوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

وسنبقی نغنیها رغم انف الصهاینة
اور ہم اسے گاتے رہیں گے صیہونیوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

وسنبقی نرقص فرحا رغم انف الاعداء
اور ہم خوشی سے رقص کرتے رہیں گے دشمنوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

وسنبقی نعزف الموسیقی رغم انف الاعداء
اور ہم موسیقی بجاتے رہیں گے دشمنوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

وسنبقی نغنی رغم انف الاعداء
اور ہم گاتے رہیں گے دشمنوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

فلسطین عربیة رغم انف الصهاینة
فلسطین عربی ہے صیہونیوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

فلسطین عربیة رغم انف الصهاینة
فلسطین عربی ہے صیہونیوں کی ناک رگڑنے کے باوجود

بیت المقدس کی نمائش

[illegible]

[illegible]

کبھی ہوں کبھی تم کی تکرار ہے مجھے
میں ہوں کبھی تم کی تکرار ہے مجھے

یہ پانی میں کیسی تڑپ ہے کہ جس سے
یہ آنسو ہیں یا کوئی دریا کی موجیں

یہ آنکھیں ہیں کچھ اور ہی بات ہے
یہ آنکھیں ہیں کچھ اور ہی بات ہے

صدائے جرس کی طرح ہر نفس میں
صدائے جرس کی طرح ہر نفس میں

یہ دل کے تڑپنے کی آواز ہے کیا
یہ دل کے تڑپنے کی آواز ہے کیا

یہ دل کا تڑپنا ہے یا کوئی نغمہ
یہ دل کا تڑپنا ہے یا کوئی نغمہ

جلا کے خاک جو کردے غرورِ اعداء کو — وہ اضطراب کا شعلہ تلاش کرتا ہوں
یہیں سے مجھ کو ملے گا نشانِ منزل کا — کلامِ حق کا صحیفہ تلاش کرتا ہوں
کدھر چلے گئے دنیا میں عاشقانِ رسول — فضائے یثرب و بطحا تلاش کرتا ہوں
خدا کے نام کی اس دور میں جو لاج رکھے — کہاں چھپا ہے وہ بندہ تلاش کرتا ہوں
تمام عالمِ اسلام جس میں شامل ہو — اِک ایسی جنگ کا نقشہ تلاش کرتا ہوں
سیاہ کرکے رہوں گا جہانِ اسرائیل — تجلیِ یدِ بیضا تلاش کرتا ہوں
جو بدر و خیبر و خندق میں مردِ میداں تھے — وہ سرفروش دوبارا تلاش کرتا ہوں
عروجِ ثاقب و زہرہ کی کیا حقیقت ہے — کہ اوجِ مسجدِ اقصیٰ تلاش کرتا ہوں
کل انبیا کی نمازوں کا جو امین رہا — وہ انبیا کا مصلیٰ تلاش کرتا ہوں
خدا کی راہ میں مرنا ہے زندگی کی دلیل — شہادتِ رہِ مولا تلاش کرتا ہوں
وہ مردِ مومن و مردِ مجاہدِ ملت — بدل سکے جو زمانہ تلاش کرتا ہوں
خدا نے خود جسے عنوانِ جاوداں بخشا — وہی شہادتِ عظمیٰ تلاش کرتا ہوں
وہ آرزوئے شہادت جو زندگی کی ہے روح — وہی ہے دل میں تمنا تلاش کرتا ہوں
فغاں کہ ارضِ مقدس کا غم بڑا غم ہے — غلافِ خانۂ کعبہ تلاش کرتا ہوں
دھواں بنا کے اُڑانا ہے فوجِ اعدا کو — جلالِ خالقِ یکتا تلاش کرتا ہوں
الٰہی ارضِ مقدس ہو اور جبینِ نیاز — مقامِ در خورِ سجدہ تلاش کرتا ہوں

دُعائے کیفؔ حزیں مستجاب ہوجائے
رسولِ حق کا وسیلہ تلاش کرتا ہوں

1. حرم کی چار دیواری کے ساتھ سلاطین عثمانیہ کے مکانات جو کھدائی سے دریافت ہوئے۔
2. مسجد براق یہاں تھی جسے یہود نے شہید کر کے رونے دھونے کی جگہ بنا لی۔
3. مقبرہ رحمت ہائی قدیم قبرستان جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قبریں بھی موجود ہیں۔
4. القدس شریف کی قدیم آبادی جہاں یہودی اپنی تعداد بڑھاتے جا رہے ہیں۔

ایک شاہکار تصویر جس میں حرم قدسی سے متعلق کچھ بنیادی تفصیلات دی گئی ہیں۔ یہ مسجد مسلمانوں کی عزت و غیرت کی علامت ہے لیکن عام طور پر مسلمان اس کی تفصیلات سے ناواقف ہیں۔ اس قسم کی تصاویر کی اشاعت کا اصل مقصد نوجوان نسل کو ان کا فرض (یعنی مسجد اقصیٰ کی بازیابی) یاد دلاتے رہنا ہے۔

تصویر کا اشاریہ: (۱) مسجد اقصیٰ کا ہال (۲) مسجد اقصیٰ کے صحن میں موجود چٹان پر قائم گنبد صخرہ (۳) دیوار براق (دیوار گریہ) (۴) قدیم شہر کے گرد قائم فصیل، القدس اس وقت دنیا کا واحد قدیم شہر ہے جس کے گرد قدیم فصیل آج بھی اصلی حالت میں قائم ہے۔ (۵) یہودی غاصبوں کی نئی آبادی

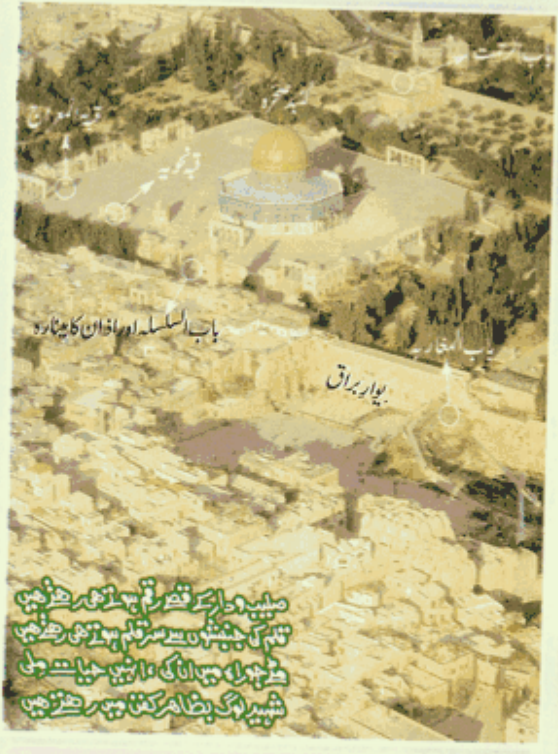

حرم قدسی (جسے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس بھی کہتے ہیں) ایک اور زاویے سے۔ مسجد کی دو دیوار بھی صاف نظر آ رہی ہے جسے یہودیوں نے دیوار گریہ قرار دے کر مسجد پر قبضے کی ابتدا کی کوشش کی ہے۔

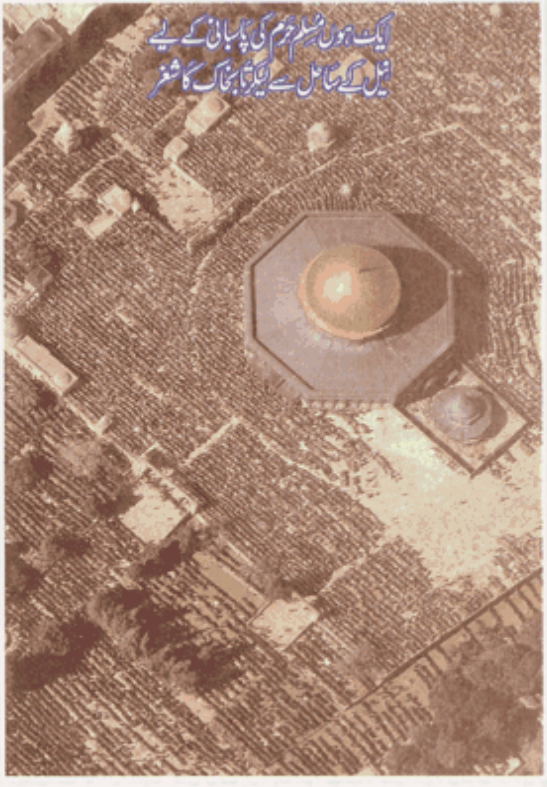

مسجد اقصیٰ کے صحن میں نماز جمعہ کے ادائیگی کے لیے شمع توحید کے پروانوں کا ایمان افروز اجتماع۔ مسلمانان فلسطین اس بات پر پوری امت کی طرف سے شکریے اور خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود قبلۂ اول کے تحفظ کے لیے قربانیاں دینے میں کسر نہیں چھوڑی۔

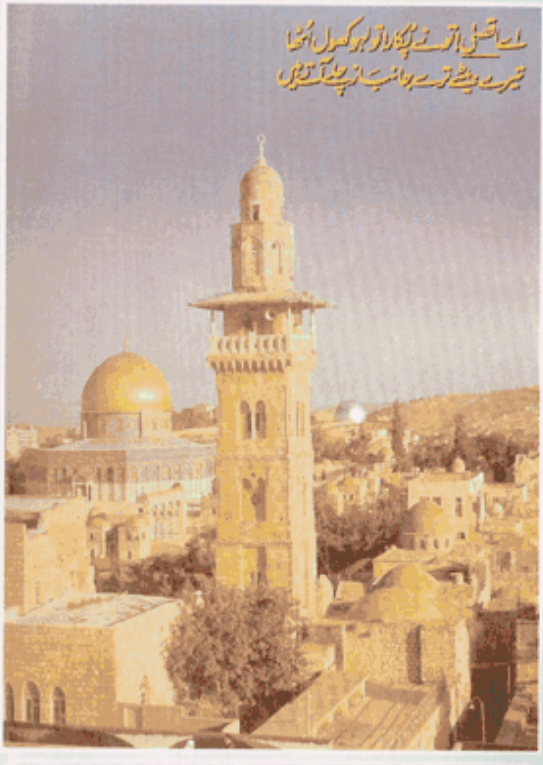

باب المغاربہ کی جانب سے ایک خوبصورت زاویہ۔ مینار مغاربہ کے دائیں طرف مسجد کے ہال پر قائم چھوٹا سبز گنبد اور بائیں جانب مسجد کے صحن میں واقع بڑا زرد گنبد دکھائی دے رہا ہے۔

مسجد اقصیٰ کے ہال کا بیرونی اور اندرونی منظر۔ ہر چیز پر حزن و ملال اور تاسف و الم کی کیفیات محسوس کی جا سکتی ہیں بشرطیکہ دل میں ایمان اور سینے میں غیرت ایمانی کے جذبات موجزن ہوں۔

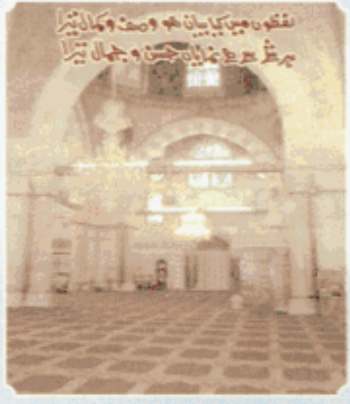

مسجد اقصیٰ کا محراب جہاں تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

وہ تاریخی منبر جسے سلطان نور الدین زنگی نے تیار کروایا تھا اور پھر اس کے جانشین سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اس منبر کی نظیر نہ تھی۔ یہودیوں نے اپنے خبث باطن کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۹۶۷ء میں اس نایاب تاریخی یادگار کو جلا دیا۔

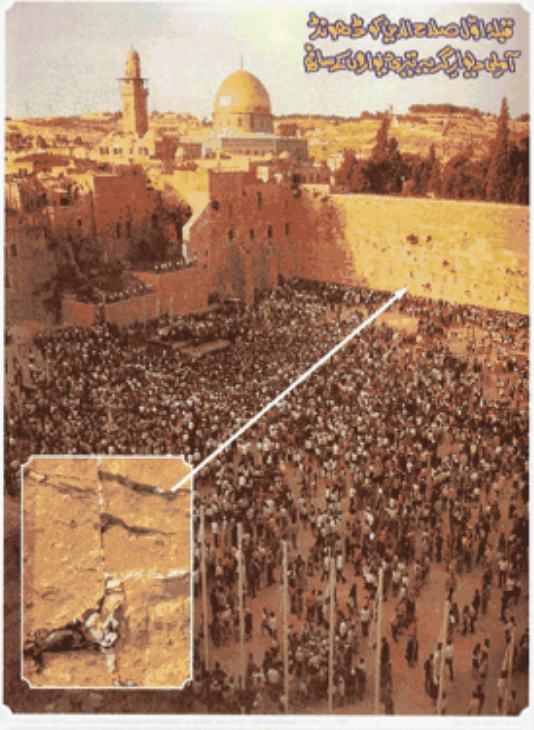

تصویر میں نظر آنے والی کھلی دیوار کو اہل اسلام ''دیوار براق'' کہتے ہیں۔ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مسجد میں داخلے کے وقت یہاں اپنی سواری ''براق'' کو باندھا تھا۔ یہودیوں نے یہاں قائم مسجد براق اور مسلمانوں کے مکانات گرا کر اپنے رونے دھونے کی جگہ بنالی ہے۔ وہ دیوار کی درزوں میں اپنے مسیحائے منتظر (دجال اکبر) کے نام درخواستیں اڑستے رہتے ہیں (دیکھیے: چھوٹی تصویر) ان کی تقلید میں عالمی میڈیا اسے ''دیوار گریہ'' کے نام سے پکارتا ہے۔ مسلمانوں کو اس نام کی بجائے اصل نام ''دیوار براق'' سے پکارنا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ دنیا لہو رنگ فلسطین ہے
فی الحقیقت تو جنت کا اک گل رنگین ہے

مسجد اقصیٰ کی ایک قدیم یادگار تصویر جس میں دیوار براق کے باہر مسلمانوں کے مکانات اور (دائرے میں) مسجد براق بھی نظر آ رہی ہے جسے بعد میں شہید کر دیا گیا۔

گنبد صخرہ کی تفصیلی معلومات

(۱) **گنبد کا بیرونی حصہ**: اصل میں گنبد تانبے کا بنا ہوا ہے۔ اس پر سونے کی ایک پرت چڑھا دی گئی ہے۔

(۲) **گنبد کا اندرونی حصہ**: یہ حصہ لکڑی کے اصل پھول پتی کے نمونوں اور خطاطی سے مزین ہے۔

(۳) گنبد کے نچلے حصے میں بنز اور سفری رنگ ہیں۔

(۴) بیرونی دیوار۔

(۵) یہ پتھر معراج کے لیے موجود ہے کی طرف جاتا ہے۔

(۶) رنگین شیشوں والی کھڑکیاں۔

(۷) **صخرہ کا پتھر**: یہ وہ مقدس چٹان ہے جہاں سے ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر معراج کے لیے جانا تھا جب معراج کا تحفہ دیا گیا تھا۔

(۸) بیرونی دیوار کا حصہ ۳۰ میٹر لمبا ہے۔ اس کی لمبائی یا مکمل گنبد کے قطر کے برابر ہے اور گنبد کی اونچائی کی پیمائش بھی اس کے برابر ہے۔

(۹) داخلی راستہ۔

(۱۰) بیرونی دیواریں۔

(۱۱) رنگ برنگے پتھر۔

(۱۲) **آٹھ کونوں والی محرابی دالان**: یہ حصہ اصل میں لکڑی سے بنایا ہوا ہے اور اس پر کندہ کاری بھی ہے۔ یہ بھی اسلامی خطاطی جیسا کہ یہ اسلام کی اشاعت قبول کرنے کا درس دیتی ہے۔

(۱۳) قرآنی آیات کی نمائندگی خطاطی۔

(۱۴) **اٹھارہ سیپ مزین حصہ**: اس میں مختلف رنگوں کے نگینے لگے ہوئے ہیں۔

(۱۵) یہ حصہ بھی رنگین شیشے سے بنایا ہوا ہے جس پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔

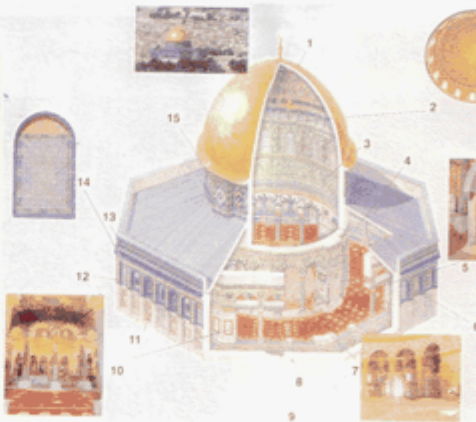

مسجد اقصیٰ کے صحن میں وہ مقدس چٹان واقع ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول تھی۔ خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک نے اس پر وہ خوبصورت گنبد تعمیر کروایا جو خوبصورتی اور پائیداری میں اپنی مثال آپ ہے۔ دیے گئے خاکہ میں اس گنبد کے مختلف حصوں کا تعارف دیا گیا ہے۔

گنبدِ صخرہ نامی اس لافانی اور لازوال شاہکار کارات کے وقت حسین منظر سے دیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

مسلمانوں کا مذہبی اور تاریخی ورثہ جس پر یہود کے قبضے کی وجہ سے جھائی اداسی اور سوگواری صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔

ایک نایاب اور شاہکار تصویر جس میں مسجد اقصیٰ کے صحن میں قائم ایک قبے کے پیچھے سے گنبد صخرہ کو فوکس کیا گیا ہے۔ تصویر میں نظر آنے والی ٹوٹ پھوٹ اور ویرانی ایک وقت یہودی سکندلی، فلسطینی مسلمانوں کی بے بسی اور امت مسلمہ کی بے حسی کی المناک کہانی سنا رہی ہے۔

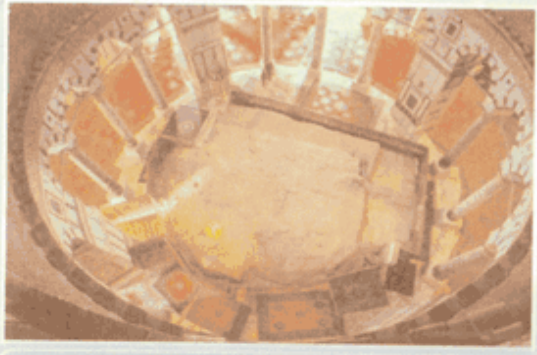

یہ وہ مقدس چٹان ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول رہی ہے۔ اگلے ہاتھ پر چٹان میں واقع سوراخ اور وہ سیڑھیاں ہیں جو چٹان کے نیچے واقع قدرتی غار کی طرف جارہی ہیں۔

مقدس چٹان کے نیچے واقع قدرتی غار جہاں مسلمان نماز اور تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہودیوں کی مذہبی داستانوں کے مطابق تورات کی اصل تختیاں اور تابوت سکینہ وغیرہ یہاں کہیں مدفون ہیں۔

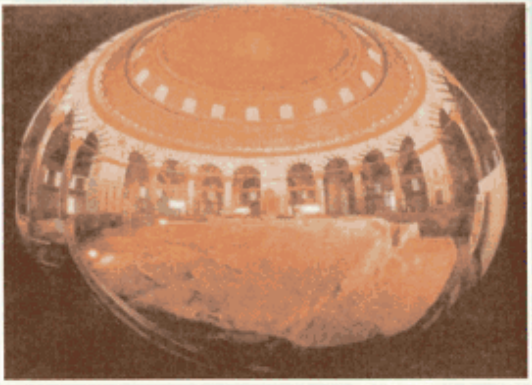

ایک فوٹو گرافر کے حسن ذوق نے مقدس چٹان اور اس پر قائم خوبصورت گنبد کو قیمتی نگینے کی طرح سجھلا کر دیا ہے۔

یہ چٹان مسلمانوں کے لیے حجر اسود کی طرح قابل احترام ہے۔ ایک مستند حدیث کے مطابق حجر اسود اور یہ چٹان دونوں جنت سے آئے ہیں۔

دنیا کے تین مشہور براعظموں کے سنگم پر "گریٹر اسرائیل" کے نام سے دجال اکبر کی سربراہی میں پورے روئے ارض پر حکومت کرنے والی یہودی ریاست کا نقشہ۔ مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑنے والی بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ سمیت ارض حرمین کا بہت سا حصہ اس نقشے میں شامل ہے۔

یہودیوں کے منصوبے کے مطابق اسرائیل کی اصل حدود لمبائی میں صنوبر کے درخت والی زمین (لبنان) سے کھجور کے درخت والی زمین (مدینہ منورہ) تک، اور چوڑائی میں دریائے دجلہ سے دریائے نیل تک ہے۔ درج بالا نقشے میں اس خفیہ منصوبے کو آشکارا کیا گیا ہے۔

صہیونی ریاست کا مجوزہ منصوبہ: درجہ بہ درجہ قدم بقدم

اس نقشے میں دکھایا گیا ہے کہ یہود اپنے سازشی ذہن اور بے لگام شاہ مارے کے بل بوتے پر اپنے ناپاک مقصد کے لیے قدم بہ قدم پیش قدمی جاری رکھے ہوئے ہیں جبکہ مسلمانانِ عالم ان کے ارادوں سے غافل اور القدس سے لاتعلق ہیں۔

"اور وہ تدبیر کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے"

دیے گئے نقشے سے معلوم ہو رہا ہے کہ عالم اسلام کے تینوں مقدس مقامات کے چاروں طرف امریکا اور یورپ کی اہم فوجی طاقتیں براجمان ہیں۔ یہ طاقتیں عظیم تر اسرائیل ریاست کے قیام میں اسرائیل کو مدد دینے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ یہ صورتحال سارے عالم اسلام کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

اسرائیلی پارلیمنٹ کا اندرونی منظر۔ اسپیکر کی پشت پر موجود پتھری سل میں گریٹر اسرائیل کا نقشہ کندہ ہے۔ اسرائیل دنیا کا وہ واحد ملک ہے جو علی الاعلان دوسرے ملکوں پر قبضے کی باتیں کرتا ہے اور کھلم کھلا ان دعووں کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ عراق پر قبضے اسرائیل نے اپنے منہ سے کی طرف ایک اور قدم بڑھایا ہے اور افسوس کہ ان قدموں کو پیچھے دھکیلنے کی ذمہ داری جن پر بھی وہ اس دجالی ریاست کی مدد پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ ہمیں اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب روز قیامت ہمارا نام بھی ان لوگوں میں پکارا جائے جو کسی حوالے سے ان شیطانی منصوبوں کا حصہ تھے۔

یہودیوں کی مذہبی داستان کے مطابق تختِ داؤدی (تھرون آف ڈیوڈ) سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب وہ پتھر ہے جس پر بیٹھ کر نسلِ داؤدی کا آخری عالمی حکمران "دجال" حکومت کرے گا۔ یہ پتھر آج کل ملکۂ برطانیہ کی شاہی کرسی میں نصب ہے۔ برطانیہ کے عیسائیوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ جس قوم کی مدد کر رہے ہیں وہ ان کے تختِ شاہی کے درپے ہے۔ اس کی اصلی تصویر حقیقی ہے، دوسری آرٹ ورک۔ درمیان میں یہ پتھر الگ سے دکھایا گیا ہے۔ شاہی کرسی کے پائے چار شیروں کی پشت پر ٹکے ہوئے ہیں، ساتھ میں صلیب کی شکل کا عصا دھرا نظر آ رہا ہے جو اہل برطانیہ کے "غیر متعصب" ہونے کا بھرپور ثبوت ہے۔

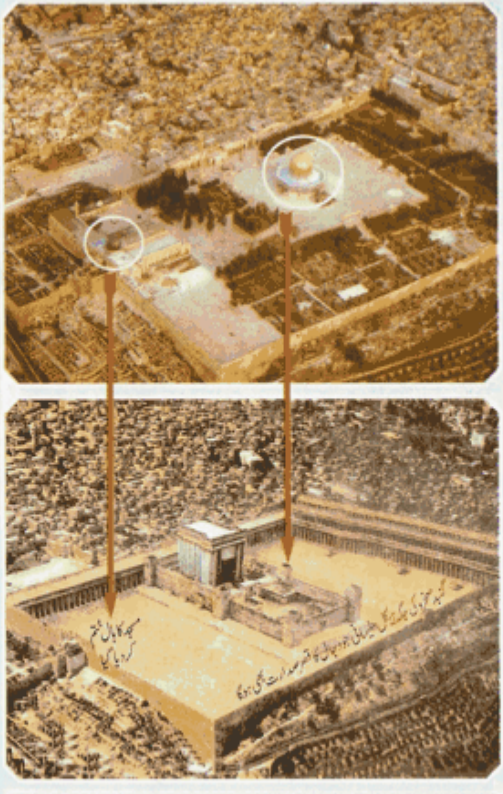

اوپر مسجد اقصیٰ کا روایتی منظر اپنی آب و تاب اور رعنائی و جمال کے ساتھ جلوہ گر نظر آ رہا ہے۔ نیچے "ٹیکل سلیمانی" (سولومن ٹیمپل) کا وہ خیالی ماڈل جسے مسجد اقصیٰ کی مبارک جگہ پر قائم کرنے کے لیے یہود اپنا پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ اے اہل اسلام! اس صورتحال کا علاج ترک مکرات اور جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کیونکر ممکن ہے؟

یہود کے خیالی منصوبے "ہیکل سلیمانی" کا ماڈل۔ اس مہم کے لیے بیسیوں تنظیمیں امریکا و یورپ میں چندہ کر رہی ہیں اور درجنوں دہشت گرد گروپ طرح طرح کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ ان کی راہ میں دو ہی رکاوٹیں تھیں ایک تو دینی مدارس جو امت کو روحانی غذا فراہم کر کے بے دینی کی یلغار سے بچاتے اور اسلام کی طرف کھینچ کھینچ کر لاتے تھے۔ دوسرے مجاہدین جو "القتال" کا فرض زندہ کر کے دشمن کے دانت کھٹے کرتے اور اسے جانے میں رہنے پر مجبور کرتے تھے۔ اب مجاہدین کو دہشت گردی کے الزام اور مدارس کو "اصلاح" کے بہانے راستے سے ہٹانے کی مہم جاری ہے جو مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

یہودیوں کا درخت جسے عربی میں "غرقد" اور انگلش میں "Boxthron" کہتے ہیں۔ یہ پندرہ سال میں پورا جوان ہو جاتا ہے اور اسے قریب قریب لگایا جائے تو دیوار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا پھل بدمزہ اور نہایت بدنما ہوتا ہے۔ یہودی حکومت نے گزشتہ سالوں میں بڑے پیمانے پر اس کو کاشت کیا ہے کیونکہ حدیث شریف کے مطابق قیامت کے قریب یہودیوں کے قتل عام کے وقت یہ درخت ان کو پناہ دے گا..... لیکن افسوس کہ یہودیوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے حاصل مطلب پر غور نہیں کیا کہ جو یہودی ایمان نہ

دریائے اردن کا دلفریب نظارہ۔ یہ وہی دریا ہے جس سے گذرتے وقت حضرت طالوت کے لشکر کا امتحان ہوا تھا۔ اللہ کا حکم پورا کرنے والے تین سو تیرہ افراد نے اسے پار کرکے جالوت کے نڈی دل لشکر پر فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا حکم توڑنے والے اپنی جگہ پڑے رہ گئے۔

"لُد" نامی مقام پر اسرائیلی دارالحکومت حیفا ایب کے قریب بن گوریان انٹرنیشنل ایئرپورٹ۔ ایک صحیح حدیث شریف کے مطابق دجال "لُد" کے دروازے کے قریب مارا جائے گا۔ آج کل ایئرپورٹ کسی شہر کا دروازہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک ڈالر کے امریکی نوٹ پر جو نشانیاں اور علامات ہیں ان سے متعلق Freemasonry نامی کتاب کا یہودی مصنف W. Kirk لکھتا ہے: ''انقلابی زمانے کے محب وطن امریکیوں کا تعلق زیادہ تر فری میسن سے تھا۔ امریکا کی عظیم مہر ایک ڈالر کے نوٹ پر چھپی ہوئی ہے جس سے فری میسن کے کئی اصولوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک ڈالر کے نوٹ کے دائیں جانب ایک شاندار جاگیرداروں کے نشان کی نمایندگی کرتا ہے جو کہ یونانی دیوتاؤں سے متعلق ہے۔ اس کے نیچے ایک کتاب بنی ہوئی ہے جو کہ روح یا عالم ارواح کا نشان ہے۔ اس کے بالکل نیچے سدا بہار درخت کی ایک بالی ہے جو کہ امن کی یاد دلاتی ہے اور دوسری طرف تیروں کا ایک گچھا ہے جو کہ لڑائی یا جنگ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عقاب کے دونوں بازوں پر جس قسم کی حکومت ہے اس کو ظاہر کرتی ہے یعنی حکومت کس نوعیت کی ہے؟ اس مہر کی مخالف سمت میں چار سطروں پر اور کو واضح کیا گیا ہے۔ نوٹ کے دوسری بائیں جانب اس قوت کا مقصد اور نصب العین لکھا ہوا ہے۔ یہ مقصد بتاتا ہے کہ کس طرح سے اس نے ترقی کی؟ ترقی کو انہوں نے ایک مخروطی شکل Pyramid کی انتہائی اونچائی پر ایک آنکھ کی تصویر ہے جو کہ اس قوت کا (یعنی دجالی طاقتوں کا۔ مترجم) سرچشمہ ہے اور صحیح معنوں میں یہ الوہیت کی اتی ترتیب کی طرف ترغیب دیتی ہے اور یہی حقوہ امریکا کی سب سے بڑی مہر کہلاتی ہے۔'' ان علامت پر لکھے گئے حروف ایک غیر معروف اور نامانوس زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ باشعور کہلانے والے امریکی عوام بھی نہیں جانتے کہ ان کا مطلب کیا ہے؟ ان کا مطلب جاننے کے لیے کتاب میں موجود صفحہ نمبر ۱۴۲ پر مضمون ''پُراسرار حروف'' ملاحظہ کیجیے۔

The Miracle of Israel's Survival in The Middle East

■ یہ ایک دعوت نامہ ہے جو ۱۳ اپریل ۱۹۹۸ء کو انگلستان کے ایک یہودی ادارے نے ایک تقریب کے سلسلے میں بڑی تعداد میں جاری کیا تھا۔ کارڈ کے ایک طرف مشرق وسطیٰ کے دو نقشے دیے گئے ہیں' بائیں طرف والے نقشے کے اوپر تحریر ہے: ''اسرائیل ۱۹۶۷ء تک'' دوسرے نقشے کا عنوان ہے ''اسرائیل مقرب'' اس دوسرے نقشے میں تمام مشرق وسطیٰ بالخصوص سارا جزیرہ نمائے عرب بشمول مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تا عدن اور خلیج فارس، اسرائیل کے زیر نگیں دکھایا گیا ہے۔ یہ درحقیقت ساری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ یہود اس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں سے ہی کام لینا چاہتے ہیں۔

■ کارڈ پر جو عبارت تحریر ہے اس میں کہا گیا ہے: ''موجودہ نسل انسانی غیر یہودی (یعنی کامل یعنی جانوروں کے) اور اور حکومت کے خاتمہ کا خود مشاہدہ کرے گی۔ علاوہ ازیں یہودی کتب ''مقدسہ'' کے حوالے سے یہ دعویٰ سنائی جارہی ہے: ''خدا ایک ایسی قوم کو اٹھانے والا ہے جو خفتہ تند و تیز مزاج ہے اور جو بہت لجلجت پسند واقع ہوئی ہے۔''

■ دعوت نامے میں کہا گیا ہے: ''پروز ہفتہ بتاریخ ۱۳ اپریل ۱۹۹۸ء بمقام کوساڈے ساعت بیچے دکتور یہ ہال، لیکسن اسٹریٹ، بمقام لارنگ ایک جلسۂ عام منعقد ہو رہا ہے خاکسم کے مسٹر گرام تقریر کریں گے۔ تقریر کا عنوان ہوگا: ''مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی معجزاتی بقاء حیات'' ارض پاک (اسرائیل) پر خدا کا ہاتھ ہے۔ یہ مظلوم اب تک غیر یہودی ادوار کے مظالم اور استیلاء کے تحت کراہتا رہا ہے۔ اب اس کی لجاجت کا وقت آ گیا ہے۔ مسیح نازل ہونے والے ہیں تاکہ وہ ساری دنیا پر بادشاہت کر سکیں۔ مسیح آ کر اسرائیل کی حقیقی توقعات کو اس دنیا میں ممتاز جاری و ساری کریں گے تمام دیگر مذاہب ملیامیٹ کر دیے جائیں گے اور قیام امن کا وہ خواب جسے آج تک کوئی حقیقت کا جامہ نہ پہنا سکا غیر یہودی دور کے خاتمے کے بعد ایک زندہ و جاوید حقیقت بن کر سامنے آ جائے گا۔''

یہ کارڈ یہودیوں کے درون خانہ چلنے والی کھچڑی کے ابال کی شدت کو پوری طرح ظاہر کرتا ہے۔

نقشے میں فلسطین اور مصر کے درمیان واقع "صحرائے سینا" دکھایا گیا ہے جس میں "کوہِ طور" واقع ہے۔ یہ وہی صحرا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل یعنی "حضرت موسیٰ" کو اس جگہ سے پانی کے بارہ چشمے نکالنے سے اپنے لئے بارہ قبائل بنانے کا حکم دیا تھا لیکن اس قوم نے ہر مرحلے پر انکار اور بغاوت کی۔ اس لئے یہ قوم اس سرزمین پر اپنی کوئی ریاست قائم نہ کر سکی اور آج تک در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

اسرائیل کے جھنڈے پر دو نیلی لکیریں اسرائیل کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان سے علاوہ دریائے نیل اور دریائے دجلہ بھی نکلتی ہیں۔ ان کے درمیان جتنا علاقہ ہے اسی کو عظیم تر اسرائیل ریاست کی علامت کے طور پر ہے۔

یہودیوں کی خاص مذہبی اور سیاسی علامت "ستارۂ داؤدؑ" ہے۔ یہ دائروں کو ملانے سے بنتا ہے۔ یہودیوں کے نزدیک ہر دائرہ ایک مخلوق کے مطابق ہے جس میں خدا سے "تعلق" انسان اور "دنیا" جیسی اہم مخلوق سے "اہم تعلق" ظاہر کیا ہے۔

ایک فلسطینی اپنے پیاروں کا گرا ہوا خون دیکھ رہا ہے۔ اس کی معصوم آنکھوں میں پیدا ہونے والا خوف بے بسی کا پیغام ہے۔

میرے بچے میں شرمندہ ہوں

مرے بچے تو میری بے حسی کو درگزر کردے
کہ میں ہر روز خبروں میں
ترے پیاروں کو مرتے دیکھتا ہوں
اور میں کچھ نہیں کر سکتا

مری آنکھوں میں ہے منظر
کسی کے زندہ جلنے کا، کسی بوڑھی کے گرنے کا، کسی ماں کے بلکنے کا
کسی اک باپ کی آغوش میں بچے کے مرنے کا
ہر اک منظر کھٹکتا ہے مرے دل میں
مگر میں کچھ نہیں کر سکتا
مرے بچے تو میری بے حسی کو درگزر کردے
بہت شرمندہ ہوں میں سامنے تیرے

میں اپنے کشت و خوں میں اس قدر مصروف ہوں ہر دم
کہ میں تیری حمایت میں دشمن سے لڑ نہیں سکتا
مری اپنی ہی دنیا میں ہیں، مرے اپنے ہی مقصد ہیں
لسانی، جھگڑے
علاقائی تعصب
فرقہ بندی کی کشاکش، سیاسی حکمت عملی
معاشی جنگ و دد
ہزاروں میرے جھگڑے ہیں
جو مجھ کو باندھ رکھتے ہیں
سو میں ہر روز خبروں میں
ترے پیاروں کو مرتے دیکھتا ہوں
اور میں کچھ کر نہیں سکتا

مگر مجھ کو یقیں ہے کہ
مرے بچے، تو یہ جنگ جیت ہی لے گا
دشمن کی گولیوں را کٹ، بموں کے باوجود اک دن
فتح تیرا مقدر ہے!
تجھے مجھ جیسے لوگوں کے سہارے کی ضرورت ہی کیا؟
بڑی طاقت کے سب جانوں تو خود ہی تھوڑے ڈرتے ہیں
وہ یہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ
تو اپنے دور کا داؤد ہے اور تیرے ہاتھوں میں
وہی تاریخی پتھر ہے!